کسی نے تری طرح سے اے انیس

عروسِ سخن

عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

المعروف بہ

جواہراتِ انیس

عورتوں کے پڑھنے کے لئے میر ببر علی صاحب انیس مرحوم لکھنوی کے مقبول
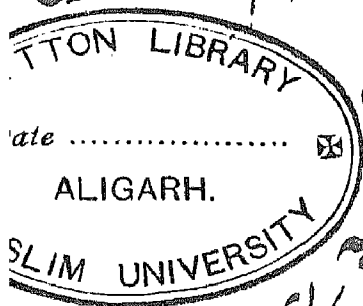
مرثیوں کا بہترین انتخاب
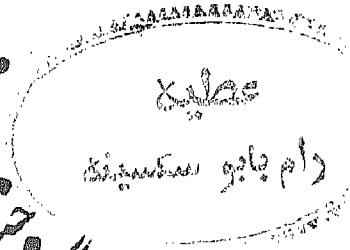
مرتبہ

جنابہ بنت حسنین صاحبہ

بیگم سید عابد رضا صاحب ایم اے

ٹریژری افیسر یو پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

محمد حمید الدین پرنٹر

بار اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد عمہ

فہرست مراثی

میر ببر علی انیس لکھنوی ولادت سنہ ۱۸۰۵ع * وفات سنہ ۱۸۷۴ع

میں نہایت خلوص اور ادب سے میر انیس کے ان جواہرات کو
جنابہ بیگم صاحبہ مولوی سید بشیر حسین صاحب زیدی چیف منسٹر سرکار
رام پور کے نام نامی پر معنون کرتی ہوں۔ بیگم صاحبہ ممدوحہ کو محبت اہل بیت
علیہم السلام میں شغف حاصل ہونے کے علاوہ اردو ادب سے جو دلچسپی ہے
اس کے لحاظ سے بھی یہ ناموزوں نہیں ہے کہ ان جواہر پاروں کو اُن کے
اسم گرامی سے منسوب کیا جائے۔

خاکسار

بنتِ حسنین

نومبر ۱۹۳۸ء
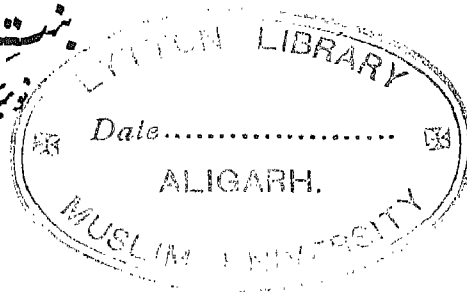
عروسِ سخن کا تعارف

عروسِ سخن کے سنوارنے والے انیسؔ کو کون نہیں جانتا، بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات سے بھری پڑی ہیں۔ ان کا نام میر ببر علی اور تخلص انیسؔ تھا خاندانی شاعر تھے۔ ان کے باپ دادا کا وطن دہلی تھا فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں لکھنؤ آئے اور یہیں شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ان کے دادا میر غلام حسن مشہور شاعر تھے ان کی مثنوی سحر البیان جس میں بے نظیر اور بدر منیر کا قصہ ہے اردو زبان میں بے مثل مانی جاتی ہے اور اس کے بعض حصے اردو نصاب میں داخل ہیں میر انیسؔ کا زمانہ اب سے کچھ کم سو برس پہلے کا زمانہ تھا سنہ ۱۲۹۱ھ مطابق سنہ ۱۸۷۴ء میں جبکہ ۷۲ برس کے قریب عمر تھی جنت کو سدھار گئے۔ کچھ اوپر پچاس برس کی مدت میں انھوں نے کربلا کے واقعات پر بہت کچھ بلکہ سبھی کچھ لکھ دیا۔ ان کا کلام اتنا مقبول ہے کہ آج تک مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے اور لوگ بڑے شوق سے سنتے ہیں اور اب تک سننے والوں کو نیا معلوم ہوتا ہے۔ مرثیہ لکھنے کے علاوہ میر انیسؔ نے پڑھنے میں بھی وہ کمال حاصل کیا تھا جس کی شہرت آج تک باقی ہے۔

ان کا کلام مختلف طریقوں سے چھپ چکا ہے سب سے پہلے نول کشور پریس لکھنؤ میں اس کی چھ جلدیں چھپی تھیں۔ اس زمانہ میں چھپائی کا جو ڈھنگ تھا اسی کے مطابق معمولی کاغذ اور معمولی حیثیت سے یہ جلدیں چھاپی گئی تھیں۔ اس کے بعد ہمارے زمانہ میں مولانا حیدر علی طباطبائی نے اس کی تین جلدیں مرتب کیں اور ان کی ترتیب یہ رکھی کہ پہلی جلد میں آخر عمر کا کہا ہوا کلام دوسری میں درمیانی عمر کے لکھے ہوئے مرثیے اور تیسری جلد میں شروع مشق کے مرثیے جمع کر دیئے ہیں۔ نظامی پریس بدایوں نے یہ جلدیں بڑے اہتمام سے چھاپی ہیں جو ایک دفعہ کے بعد دوسری بار بھی چھپ چکی ہیں بے انصافی ہوگی اگر میں اس سلسلہ میں واقعات کربلا کا ذکر نہ کروں یہ میر انیسؔ کے مرثیوں کا وہ انتخاب ہے جو سنہ ۱۹۱۵ء میں کاکوری کے رہنے والے سید منظور علی صاحب علوی نے ترتیب پایا تھا جس میں ایک بحر کے مختلف مرثیوں سے سلسلہ وار واقعات لے کر اس خوبصورتی سے جمع کر دیئے ہیں کہ دیکھنے میں ایک ہی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد کئی سال ہوئے "روح انیس" کے نام سے ایک انتخاب چھاپا گیا ہے جو چوٹی کے سات مرثیوں اور کئی سلاموں اور رباعیوں کا

مجموعہ ہے اور خوشنما صورت میں چھپا ہے۔

میری کئی سال سے تمنا تھی کہ میں زنانہ مجلسوں میں پڑھنے کے لیئے ایک انتخاب مرتب کروں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ محرم ۱۳۵۵ھ کے شروع ہونے سے پہلے پہلے یہ انتخاب میری معزز بہنوں کے ہاتھوں میں پہونچ جائے گا۔ میں نے یہ انتخاب نظامی پریس کی چھپی ہوئی پہلی جلد کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔ اس جلد میں کل مرثیوں کی تعداد ۵۰ ہیں لیکن میں نے صرف گیارہ مرثیوں سے یہ انتخاب مرتب کیا ہے۔ ہر مرثیہ میں سے کچھ بند چھوڑ بھی دیئے گئے ہیں لیکن حالات کا سلسلہ قایم رکھا ہے۔ سادگی زبان کے ساتھ واقعات کربلا کا جو نقشہ میر انیس نے ان مرثیوں میں کھینچا ہے اس کو خصوصیت کے ساتھ اس انتخاب میں جگہ دی گئی ہے۔ اور اس میں بین کے جو بند ہیں ان کو مرثیوں کی جان سمجھنا چاہیئے۔ میر انیس نے جس قدر بین لکھے ہیں وہ اگرچہ مختصر ہیں لیکن ان کا لہجہ اس قدر دردناک ہے کہ سننے والے کے بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ چونکہ یہ انتخاب عورتوں کے لیئے کیا گیا ہے اس لیئے وہ حصہ جس میں بین ہیں خصوصیت کے ساتھ اس میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اردو کی بیگماتی زبان خاص طور پر اس مجموعہ میں ملتی ہے اس لیئے یہ انتخاب صرف مجلسوں ہی کے لیئے قابل قدر نہیں ہے بلکہ اس میں اردو و ادب کی بھی خاص شان ہے مجھے امید ہے کہ اردو و ادب کے قدردان اس کو شوق سے پڑھیں گے۔

بنت حسین (بیگم رضا)

بدایوں۔ ۱۴ شعبان ۱۳۵۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرثیہ (۱)

دشت وغا میں نور خدا کا ظہور ہے
ذروں میں روشنی تجلی طور ہے
اک آفتاب رخ کی ضیا دور دور ہے
کوسوں زمیں عکس سے دریائے نور ہے
اللہ رے حسن طبقۂ عنبر سرشت کا
میدان کربلا ہے نمونہ بہشت کا

پرتو فگن ہوا جو رخ قبلۂ انام
مشہور ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
اور سنگریزے در نجف بن گئے تمام
صحرا کو مل گیا شرف وادی السلام
کعبہ کو اور نجف کو بھی عزت سوا ہوئی
خاک اس زمین پاک کی خاک شفا ہوئی

شمع حریم لم یزلی تھا گلوئے شاہ
تاریک شب میں جیسے ہویدا ہو نورِ ماہ
لے چرخِ بے مدار یہ کیسا ستم ہے آہ
شمشیر شمر اور محمد کی بوسہ گاہ

جس پر رسول ہونٹوں کو ملتے ہوں پیار سے
کٹ جائے کربلا میں وہ خنجر کی دھار سے

کس منہ سے کیجے لبِ جاں بخش کا بیاں
چومی جنھوں نے احمدِ مختار کی زباں
کیا دُرِّ آبدار ہیں اس درج میں نہاں
گویا کہ موتیوں کا خزانہ ہے یہ دہاں

ذرّے زمیں پہ عکس سے سارے چمک گئے
جس وقت یہ کھلے تو ستارے چمک گئے

غل تھا نئے جبین کی شوکت نئے وقار
گویا کھڑے ہیں جنگ کو محبوبِ کردگار
رخ سے عیاں ہے دبدبۂ شاہِ ذوالفقار
ہے نورِ حق جبینِ منور سے آشکار

کیونکر چھپے نہ ماہِ دو ہفتہ حجاب سے
چودہ طبق میں نور ہے اس آفتاب سے

مصروف وعظ و پند تھے سلطانِ مشرقین
جو گھر سے نکلے کھیلنے زہرا کے نورِ عین
نانا بغیر دونوں نواسوں کو تھا نہ چین
بڑھ جاتے تھے حسنؑ کبھی آگے کبھی حسینؑ
کہتے تھے دیکھیں کون قدم جلد اٹھاتا ہے
نانا کے پاس پہلے بھلا کون جاتا ہے

اصحابِ خاص گرد تھے انجم کی طرح سب
تاباں تھا بیچ میں وہ مہِ ہاشمی لقب
ہر یک ملک صفات پس ان تھے دو عرب
جبریلؑ تھامے ہوئے تھے زانوئے ادب
خادم بلال و قنبر گردوں اساس تھا
نعلین اس کے پاس عصا اس کے پاس تھا

منظور یاں تھی مدح گلوئے شہِ امم
یاد آگئی مگر یہ حدیثِ غم و الم
مسجد میں جلوہ گر تھے رسولِ فلک حشم
ہلتے تھے ذکرِ حق میں لبِ پاک دم بدم
روشن تھے بام و در رخِ روشن کے نور سے
آئینہ بن گئی تھی زمیں تن کے نور سے

پھر پھر کے دیکھتے تھے شہنشاہِ مشرقین
گہہ جانبِ حسنؑ تو کبھی جانبِ حسینؑ
بیٹھے جو زانووں پہ وہ زہرا کے نورِ عین
تھا ان کو لطف قلب کو راحت جگر کو چین
جھک جھک کے منہ رسولِ زمنؐ چومنے لگے
ان کا گلا تو ان کا دہن چومنے لگے

بیٹوں کو تھا علیؑ کا اشارہ کہ بیٹھ جاؤ
لازم نہیں کہ وعظ میں نانا کو تم ستاؤ
پھیلا کے ہاتھ بولے محمدؐ کہ آؤ آؤ
شبیرؑ نے کہا ہمیں پہلے گلے لگاؤ
بھائی حسن جو آپ کی گودی میں آ گئے
ہم تم سے نانا جان ابھی روٹھ جائیں گے

مسجد میں آئے ہنستے ہوئے جب وہ گلبدن
خوشبو سے صحنِ مسجدِ جامع بنا چمن
تسلیم کو حسینؑ سے پہلے جھکے حسنؑ
خوش ہو کے مسکرانے لگے سرورِ زمن
بڑھ بڑھ کے خم سلام کو چھوٹے بڑے ہوئے
بیٹھے تھے جو رسولؐ کے اٹھ اٹھ کھڑے ہوئے

بیت الشرف میں آئے جو شبیرؑ نامدار
کرتے کو منہ پہ رکھ کے لگے رونے زار زار
دوڑیں یہ کہہ کے فاطمہؑ زہرا جگر فگار
اے ہے حسینؑ کیا ہوا کیوں ہو اشکبار
تجھ کو رلا کے غم میں مجھے مبتلا کیا
قربان ہو گئی تجھے کس نے خفا کیا

اُٹھے حسینؑ زانوئے احمدؐ سے خشمگیں
غصے سے رنگ زرد اور آنکھیں آتشیں
رُخ پر پسینہ جسم میں رعشہ جبیں پہ چیں
پوچھا کدھر چلے تو یہ بولے کہیں نہیں
گھر میں لیے تیوری چڑھائے چلے گئے
دیکھا نہ پھر کے سر کو جھکائے چلے گئے

شبیرؑ چاہتے تھے کہ چومیں مرے بھی لب
پر کچھ گلے کے بوسوں کا کھلتا نہ تھا سبب
نانا کے منہ کے پاس یہ لاتے تھے منہ کو جب
جھک جھک کے چومتے تھے گلا سید عرب
بھائی کو دیکھ کر حسنؑ مسکراتے تھے
غیرت سے اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے

پڑھ کے اور اوڑھ لی سر پر ردا
منہ پہ بہن کے گود میں شبیر کو لیا
در تک گئی جو گھر سے وہ دلبند مصطفےٰ
فضہ نے بڑھ کے بوذر و سلماں کو دی صدا
پیش نبی حسینؑ کو گودی میں لاتی ہیں
ہٹ جاؤ سب کہ فاطمہ مسجد میں آتی ہیں

***

یہ بات سن کے ہو گیا زہرا کا رنگ فق
بولی پسر سے رو کے وہ بنت رسول حق
صدقے گئی کرو نہ کلیجے کو میرے شق
سمجھے ہو کیا کہا مجھے ہوتا ہے اب قلق
میرا لہو ہے گا جو آنسو بہاؤ گے
کھانے کو ماں بچے کی جو کھانا کھاؤ گے

***

بولے حسینؑ ہم تو ہیں اس بات پر خفا
نانا نے چومے بھائی کے ہونٹھ اور مرا گلا
اماں جان منہ کو تو سونگھو مرے ذرا
کچھ ہے ناگوار ہی میرے دہن میں کیا
بھائی کے لب سے اپنے لبوں کو لگاتے ہیں
اب ہم نہ جائیں گے یہیں نانا کو لاتے ہیں

بولے جھڑک کے تھام کے محبوب ذوالجلال
تجھ سے سنا نہ جائے گا اے فاطمہ یہ حال
کس منہ سے میں کہوں کہ قلق ہے مجھے کمال
نیزہ پہ شہید ہونگے ترے دونوں لال
ماتم کی یہ خبر ہی جبرئیل لائے تھے
سادات کا حسین کے پرسے کو آئے تھے

آپ ان کے ناز اٹھاتے ہیں یا شاہ بحر و بر
پھر کس پہ روٹھیں آپ سے روٹھیں نہ یہ اگر
اکثر انھیں چڑھایا ہے حضرت نے دوش پر
گیسو دئے ہیں ننھے سے ہاتھوں میں بیشتر
روٹھے تو پیر قدموں پہ سر دھرتے آئے ہیں
منہ کے نہ چومنے کا گلا کرتے آئے ہیں

پھر کے پوچھنے لگے محبوب ذوالجلال
روتا ہے کیوں حسین یہ کیا ہے تمھارا حال
بولے بتول آج قلق ہے مجھے کمال
روتا ہے یہ حسین کہ انھیں ہیں دونوں لال
آئے ہیں ہنستے روتے ہوئے گھر میں جاتے ہیں
شفقت بھی آپ ہی کرتے ہیں آپ ہی رلاتے ہیں

سنکے خنجر یہ کہے کے جو محبوب ذوالمنن
گھبرا کے منہ حسینؑ کا تکنے لگے حسنؑ
زہرا پکاری ہائے لٹے گا مرا چمن
بس مرگئی دہائی ہے یا سرورِ زمن
کیسی یہ آگ ہے کہ مری کوکھ جل گئی
ہے ہے چھری کلیجے پہ زہرا کے چل گئی

زہرا مجھے کلام کی طاقت نہیں ہے اب
حلق حسینؑ چومنے کا کیا کہوں سبب
اک بن میں تین روز رہیں گے یہ تشنہ لب
کٹ جائیگا گلا یہی خنجر سے ہے غضب
نیزے پہ سر چڑھینگے ترے نورِ عین کا
گھوڑوں سے روند ڈالینگے لاشہ حسینؑ کا

الماس پی کے ہوئیگا بیجاں ترا حسنؑ
پوچھو کہ چومتا ہوں اُس کا میں دہن
بھر جائیگا کلیجے کے ٹکڑوں سے سب لگن
ہوگا زمردی ترا اس لال کا بدن
سوئے بہشت جب یہ جہاں سے سدھارینگے
[illegible] ان کے جنازے پہ ڈالیں گے

بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہِ کائنات
روح الامیں نے مجھ سے تو یہ کہی ہے بات
چاہو تو رد کرے یہ بلا ربِّ پاک ذات
لیکن نہ ہوئیگی مری امت کی پھر نجات
محبوبِ حق نثار ترے نورِ عین پر
موقوف ہے یہ امر تو قتلِ حسینؑ پر

کہنے لگی نبی سے بتولِ فلک جناب
ہے ہے میں کیا کروں مرے دل کو نہیں ہے تاب
اے بادشاہِ کون و مکاں مالک الرقاب
درگاہِ حق میں آپ کی ہے عرض مستجاب
کیجے دعا کہ خالقِ اکبر مدد کرے
اللہ یہ بلا مرے بچے کی رد کرے

زہرا سے رو کے کہنے لگے شاہِ نیک خو
بیٹی مجھے ستائینگے تربت میں کینہ جو
اس وقت قتل ہوئیں گے یہ دونوں ماہ رو
دنیا میں جب نہ ہوگا علیؑ اور نہ میں نہ تو
لاشے پہ مجتبےٰ کے تو شبیرؑ روئے گا
شبیر جب مرے گا تو کوئی نہ روئے گا

کہنے لگے حسینؑ سے پھر شاہ بحر و بر
بتلاؤ مجھ کو کیا تری مرضی ہے اے پسر
نانا سے بولے چھوٹے سے ہاتھوں کو جوڑ کر
اُمت کے کام آئے تو حاضر ابھی ہے سر
وعدہ کو ہم نہ بھولیں گے گو خورد سال ہیں
جھوٹے نہیں ہیں مخبرِ صادق کے لال ہیں

روتے ہیں آپ کس لیے یا سیدِ امم
راضی ہیں ہم بہ امرِ خدا ہیں جو ہوں ستم
تلواریں بھی چلیں تو نہیں ہارنے کے ہم
اُمت پہ اپنے سر کو تصدق کریں گے ہم
ہم راست گو ہیں بات پہ جس وقت آتے ہیں
کہتے ہیں جو زباں سے وہی کر دکھاتے ہیں

بچپن میں جو زباں سے کہا تھا کیا وہ کام
جس وقت بن میں ٹوٹ پڑی شہ پہ فوجِ شام
گردن جھکائی برچھیاں کھایا کیے امام
خوں میں قبا رسول کی تر ہو گئی تمام
تیغیں علی کے لال کے شانے پہ چل گئیں
چھاتی کے پار برچھیوں کی نوکیں نکل گئیں

جلتی ہوئی زمیں پہ تڑپنے لگے امام
بیکس پہ ظالموں نے کیا اور اژدہام
اُس وقت شمر سے یہ عمر نے کیا کلام
ہاں تن سے جلد کاٹ سر سرورِ انام
ڈر ہو نہ سُن کے فاطمہ زہرا کی آہ کو
گل کر دے شمعِ قبرِ رسالت پناہ کو

گھوڑے پہ جب سنبھلنے کی مطلق رہی نہ تاب
ہاتھوں سے باگ چھٹ گئی اور پاؤں سے رکاب
گرنے لگا جو خاک پہ وہ آسماں جناب
مرقد میں بے قرار ہوئی روحِ بوتراب
غل تھا کہ خاک پر شہِ کون و مکاں گرا
بس اب نبی لٹ گئی اور آسماں گرا

تھے دو ہزار جسمِ شہِ بحر و بر پہ زخم
ماتھے پہ زخم تیر کے تیغوں کے سر پہ زخم
گردن پہ زخم سینہ پہ زخم اور کمر پہ زخم
اور اس کے ماورا تھے بہتر جگر پہ زخم
گھوڑے پہ کچھ سنبھلتے تھے کچھ ڈگمگاتے تھے
غش آتا تھا تو ہرنے پہ سر کو جھکاتے تھے

آواز اپنی ماں کی یہ زینب نے جب سنی
دوڑی نکل کے خیمہ سے سر پیٹتی ہوئی
دیکھا کہ ذبح کرتا ہے حضرت کو وہ شقی
پھر پیٹ کر یہ کہنے لگی وہ جگر جلی
ہے ہے نہ تین روز کے پیاسے کو ذبح کر
ظالم نہ مصطفےٰ کے نواسے کو ذبح کر

کیوں ذبح میرے لال کو کرتا ہے بے گناہ
کیوں کاٹتا ہے میرے کلیجے کو روسیاہ
کشتی کو اہل بیت نبی کی نہ کر تباہ
میں فاطمہ ہوں عرش ہلا دیگی میری آہ
ہوویگا حشر قتل جو یہ بے وطن ہوا
یہ مر گیا تو خاتمۂ پنجتن ہوا

یہ سن کے مستعد ہوا وہ شمر کے قتل پر
زانو رکھا حسینؑ کے سینے پہ بے خطر
گردن پہ پھیرنے لگا خنجر جو بد گہر
آئی صدا علی کی کہ ہے ہے مرے پسر
زہرا پکاری کچھ بھی نبی سے حجاب ہے
ظالم یہ بوسہ گاہ رسالت مآب ہے

روکیہاں پہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
دے کر دہائی اہل حرم پیٹتے تھے سر
کرتا تھا ذبح شہ کو وہاں شمر بد گہر
فرماتے تھے شاہ کہ پیاسا ہوں رحم کر
پانی دیا نہ ہائے نبی کے نواسے کو
جلاد ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو

زخموں سے چور چور ہے زہرا کا یادگار
جس چھاتی پہ میں سوتی تھی اُس پہ ہے وہ سوار
بابا کے حلق پہ پھرا ہے چھری کی دھار
بدلے پدر کے سر کو مرے تن سے تو اُتار
سید پہ تشنہ لب پہ ستم اس قدر نہ کر
پوتی ہوں فاطمہ کی مجھے بے پدر نہ کر

بانو پکارتی تھی یہ کیا کرتا ہے لعیں
پیاسا ہے تین روز سے حیدر کا جانشیں
چلاتی تھی سکینہ کہ جینے کی میں نہیں
بابا کو ذبح کرتا ہے کیوں اے عدوئے دیں
خنجر نہ پھیر چاند سی گردن پہ رحم کر
بابا کو چھوڑ دے مرے بچپن پہ رحم کر

مرثیہ (۲)

فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے
سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے
گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے
گل رو صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آخر سر امامِ اُمم تن سے کٹ گیا
چلّا کے فاطمہ نے یہ زینب کو دی صدا
میداں سے جلد لے کے سکینہ کو گھر میں جا
بے جرم کٹ گیا ترے ماں جائے کا گلا
مارا بظلم شمر نے پیارے کو جان سے
میں لٹ گئی حسینؑ سدھارے جہان سے

عورات محلہ چلی آتی ہیں بصد غم
کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہرا سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
فرش اُٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
چلاتے ہیں درباں کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹاٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبی کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولِ عربی کے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہیں ملنے کو آئے
بُلواؤ کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے
ناداں سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہیں پائے

ڈر ہے کہیں گھبرا کے دم اُس کا نہ نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

پہنچی تھی زینب کہ پکارے شہِ عادل
تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی کہیں آج کی منزل
رخصت کرو لوگوں کو بس اب ہے یہی حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقتِ سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

ان بیبیوں سے کہتی تھی شاہ کی ہمشیر
بھولو نہ ہمیں پھر یہ لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
پے خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیر

مجھ کو بھی یہ رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

پتھرا کے منہ تکنے لگی بانوئے معصوم
صغرا کے لیے رونے لگیں زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
پردہ رہا کیا اب تمھیں خود ہو گیا معلوم
تم چھوٹی ہو اس واسطے سب کہتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا

ماں نے کہا ہاں ہاں یہی آئے ہیں محمل
چلائی کہ کہو کہاں اور یہ ساماں
دیکھو تو ادھر روتی ہیں بی بی شہ ذیشاں
صغرا نے کہا ان کی محبت کے ہیں قرباں
وہ کونسا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو کیا مجھ سے جدا ہوتے ہیں بابا

کہہ کر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوش خو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو
آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہوں مادر
ہر صبح یہیں پی لیں گی وہ آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر
لونڈی ہوں سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر
یاں پر نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

صغرا نے کہا کھانے پہ خود ہی مجھے انکار
پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار
تبرید فقط آپ کا ہے شربت دیدار
گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اتر جائے گی بابا

لو چلتی ہے تو خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام
جنگل میں نہ راحت ہے کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام
دریا ہے کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

ہیں صدمے کئی بس کرو گریہ و زاری
اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
آ او مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

ماں بولی یہ کیا کہتی ہو صغرا ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا ہوں گے ہوتے نہیں بیٹا
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں بھائی بھی ہیں دور
اماں کا سخن ہے یہ کہ بیٹی میں ہوں مجبور
ہم راہ ہی بیمار کسی کو نہیں منظور

دنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

اک دن تو مہیا تھا یہ سامانِ سواری
اک روز تھا وہ گرد تھی نیزے لیے ناری
محمل تھا نہ ہودج نہ کجاوہ نہ عماری
بے پردہ تھی وہ حیدرِ کرار کی پیاری
نیچے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ اور ہاتھ بندھے تھے

بیت الشرفِ خاص سے نکلے شہ ابرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بتکرار
پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار
باہر حرم آتے ہیں رسولِ دوسرا کے
نقشہ کوئی جھانکے نہ جائے جھروکے سے ہوا کے

معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار
صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
بچے! کوئی دن میں گزر جائے گی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

فرمائیے اب جائے کدھر آپ کا شبیر
یاں قید کی ہے فکر ادھر قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں برچھی ہے اور کہیں زنجیر
خونریزی کو کعبہ تلک آ پہنچے ہیں بے پیر

بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجئے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجئے نانا

پیدل شہ دیں روضۂ احمد کو سدھارے
تربت سے صدا آئی کہ آ اے مرے پیارے
تعویذ سے شبیر لپٹ کر یہ پکارے
ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے

خط کیا ہی اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

تربت پہ وہ محمل جو ہوئی دختر زہرا
ناقوں پہ چڑھے سب حرم سید والا
کرنے لگے رہوار رکھا گرد کا پردا
عباس سے بولے یہ شہ یثرب و بطحا

صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روح نبی پر
رخصت کو چلو قبر رسول عربی پر

پہلو میں جو تھی فاطمہ کے تربتِ شبّر
اُس قبر سے لپٹے بہ محبت شہِ صفدر
چلائے کہ شبیر کی رخصت ہے برادر
حضرت کو تو پہلو ہوا ماں کا میسر
قبریں بھی جدا ہیں تہِ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

اس ذکر پہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے
واں سے جو اُٹھے فاطمہ کی قبر پہ آئے
پائیں پہ گرکے بہت اشک بہائے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے ترے جائے
ہے شور کہ کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اُسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

یہ کہہ کے ملا قبر سے شہ نے جو رُخِ پاک
ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاک
جنبش جو ہوئی قبر کو تھرا گئے افلاک
کانپی جو زمیں صحنِ مقدس میں اُڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

رخصت ہوئے وہ لوگ پچھے شاہ سدھارے
جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے
جانبِ طرف خانۂ اللہ سدھارے
اُٹھے یہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

گھبرائے تلک شہر کے اک شور قیامت
سمجھائے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت
پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

پہنچے کہ چلے قبرِ حسن سے شہِ مظلوم
ہمراہ جو پایا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم
چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

باتیں تھیں یہی یاس کی اور درد کی تقریر
منزل پہ بھی آرام سے سوتے تھے نہ شبیر
شب کو کہیں اترے تو سحر کو ہوئے رہگیر
جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر

مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
جس طرح کہ ڈھونڈھے کوئی معشوق کے گھر کو

جاتے تھے دل افسردہ و غمگین شہِ ابرار
ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
قبریں نظر آتیں کسی صحرا میں جو دو چار
فرماتے تھے شہ فاعتبروا یا اولی الابصار

جز خاک ہوئے کاشانے بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا

کہیں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام
کوفے سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
اعدا نے گزرنے نہ دیئے حج کے بھی ایام
کھولا پسرِ فاطمہ نے باندھ کے احرام

عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتم ذی الحجہ کہ راہی ہوئے حضرت

لانے میں یہ فضہ علی اکبر کو پکاری
لو دیکھ چکیں چاند یہ اللہ کی پیاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمھاری
آنکھوں کو کئے بند یہ فرماتی ہیں واری

آئے تو رخ اکبر کی قدر کو دیکھوں
شکل مہ نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں

اس دن یہ ہوا اک ستم فوج پہ چھایا
کھانا کسی دن قافلہ والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا اسداللہ کا جایا
جو چاند محرم کا فلک پر نظر آیا

سب نے مہ نو لشکر شبیر میں دیکھا
منہ شاہ نے اپنا شمشیر میں دیکھا

غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمہ جانکاہ
گو منہ کو چھپے ہوئے سر کھول کے بیٹھے حرم شاہ
فرماتے تھے شہ سب کو ہو درپیش یہی راہ

ہوگا وہی اللہ کو جو مدنظر ہے
آج ان کا ہوا کوچ کل اپنا بھی سفر ہے

گردوں پہ مہِ نو جو نمایاں ہوئی یہ تاثیر
چڑھتی ہے ملے سر کے لئے چرخ پہ شمشیر
اس چاند میں کٹ جائیگا سب لشکرِ شبیر
نیزہ کوئی کھائیگا کلیجے پہ کوئی تیر
برچھی کسی جانباز کے پہلو میں لگے گی
شمشیر کسی شیر کے بازو میں لگے گی

یہ آلِ نبی کی ہے مصیبت کا مہینا
یہ ظلم کا عشرہ ہے یہ آفت کا مہینا
پہونچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا
آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا
یہ بارِ امانت میری گردن سے اتر جائے
ہو خاتمہ بالخیر جو سر تن سے اتر جائے

شہ داخلِ خیمہ ہوئے فرزند کے ہمراہ
منہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنتِ ید اللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہ کے ماہ
فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ذیجاہ
سر تن سے مرا اس مہِ پُر غم میں کٹے گا
زینب یہ مہینہ تمھیں ماتم میں کٹے گا

اس عشرہ اولیٰ میں ہوں گے بین ہم
تاریخ سفر ہے دہم ماہ محرم
عشرہ ہے وہ عشرہ کہ لئے زینب پُرغم
جس لال کی عاشق ہو وہ ہو جائیگا بیدم
دیکھوں گی پھر منہ علی اکبر سے پسر کا
اب شام میں ہوگا مجھے چاند صفر کا

دولہا کوئی پاؤں سے کٹے ہوئے پامال
بیٹے کی کوئی تازہ دلھن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئیگا غربال
نکلے کی کوئی کہتی ہوئی ہائے مرا لال
معصوموں کے سونے کی جگہ پائینگی خالی
بچوں سے بھری گودیاں ہو جائینگی خالی

بیٹے کو چلا دیں گے لٹے گا زر و زیور
اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ برادر
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر
بیوہ کئی سیدانیاں ہووینگی مقرر
گھر لٹیں گے تمانچا جو روویگی سکینہ
اس ماہ میں بے باپ کی ہووے گی سکینہ

بطحیٰ سے منزلِ مقصد قریب ہے
آرام گاہِ جانِ محمد قریب ہے
مولد تو دور رہ گیا مشہد قریب ہے
جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آئی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو

مرثیہ ۳

غش ہو گئی سن کے یہ بیاں زینبِ پُر غم
خیمہ میں اسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بی بیاں باہم
خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا وہی جنگل نظر آیا
تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنج مسافرت میں ہیں سلطان بحر و بر
لب ہے گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر
آتی ہے خاک اڑ کے بیابان و دیار سے
گیسوئے مشک بار اٹے ہیں غبار سے

چلتی ہے لوں حرارت خورشید ہے دوچند
مرجھا گئے ہیں نخل ہوا میں ہے یہ گزند
جھیلوں میں ہیں درند درختوں پہ ہیں پرند
ہے دھوپ میں رسول کا فرزند ارجمند
غربت میں بیکسی ہے نہ دیں پناہ پر
سایہ ہے آفتاب کا زہرا کے ماہ پر

ہے شور آمد آمد شاہ فلک سریر
فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں بے شمر
حضرت کی پیشکش کو کمانیں ہیں اور تیر
پانی پہ چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
دریا کے گھاٹ پہ چھوٹے روکے جاتے ہیں

پہنچے کہ رو رہے تھے شہِ دیں کہ ناگہاں
ناقے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ دو جہاں
تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جاں
تشویش ہے رسولِ خدا کے حبیب کو
کچھ پوچھنا ہے اُس سے حسینؑ غریب کو

اُس دن بہت اُداس تھا زہرا کا یادگار
زردی تھی رُخ پہ گیسوؤں پر راہ کا غبار
صحرا پہ گہہ نظر تھی گہے سوئے کوہسار
تکتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار
کس کو نہ بے وطن کیا کس پر جفا نہ کی
او دہر تو نے آہ کسی سے وفا نہ کی

جب طے ہوئی وہ منزلِ آفت قریبِ شام
اس روز ثعلبیہ میں شہ کا ہوا مقام
اکبر نے آن کر کیا پردے کا اہتمام
ناقوں سے اُترے آلِ نبی با صد احترام
ڈوبے ہوئے عرق میں سبھوں کے لباس تھے
دل رُندھ گئے تھے چاند سے چہرے اُداس تھے

گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہِ نامدار
گھبرا کے وہ قدم پہ گرا تھا بار بار
پھر چلیے اب وطن کی طرف بہرِ کردگار
کوفے میں سب ہیں عہد شکن اور ستم شعار

آلِ رسولِ پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی
یہ ہیں وہی جنھوں نے علی سے وفا نہ کی

کی عرض اُس نے اے پسرِ سیدالبشر
کوفے کے شہرِ شوم سے آتا ہوں میں ادھر
فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلم کی کچھ خبر
رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر

شہ بولے وجہ کیا جو ترا حال غیر ہے
جلدی بتا کہ میرے مسافر کی خیر ہے

پہنچا وہ جب قریبِ شہنشاہِ سرفراز
تسلیم کر کے پاؤں پہ رکھا سرِ نیاز
ہاتھ اُس کا لے کے ہاتھ میں اُٹھے شہِ حجاز
بولا کنارے جا کے وہ اُمت کا کارساز

کہہ کیا ہے سفر تو یہ سلسلہ ظفر کا ہے
آنا ہوا کدھر سے ارادہ کدھر کا ہے

شہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا
فرمایا بازگشت ہے سب کی سوئے خدا
جو مسلم غریب پہ ہونا تھا ہو چکا
باقی ہے کچھ جو ظلم وہ اب ہم پہ ہوئے گا
خواہان مرگ سبط رسالت مآب ہے
اُن کا جہاں سے کوچ مرا با رکاب ہے

پھر بولا سر کو پیٹ کے با صد غم و محن
آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن
ٹکڑے پہ سر ہے جسم ہے بے گور و کفن
اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں رسن
تربت نہیں نصیب تن پاش پاش کو
گلیوں میں لوگ کھینچتے پھرتے ہیں لاش کو

کوفی تمام مائل جور و فساد ہیں
مفسد ہیں بد طریق ہیں بد اعتقاد ہیں
تربت میں فاطمہ کے رلانے پہ شاد ہیں
یعنی ادھر ہیں دل سوئے ابن زیاد ہیں
نامحرموں نے کون سا وعدہ وفا کیا
کیونکر کہوں کہ مسلم بیکس سے کیا کیا

آیا تھا شمر کو غصہ جس دم یہیں ٹھہر کر
حاکم کے آگے چلے تو وہ چھوٹے چھوٹے سر
آنکھیں کھلی تھیں چاند سے چہرے تھے خوں میں تر
رخ پہ پڑی لٹکتی تھیں زلفیں ادھر ادھر
ماتھوں سے آشکار نشانِ سجود تھے
بے رحم کے طمانچوں سے عارض کبود تھے

لٹتے ہیں روتے روتے تو کچھ آ گیا خیال
مسلم کے دونوں بیٹوں کا پوچھا ہے حال
اس نے کہا کہ کیا کہوں اے شاہِ خوش خصال
حارث کے ہاتھ آ گئے وہ دونوں نونہال
بے رحم نے یتیموں پہ کیا کیا ستم کیے
بازو بندھے تھے دونوں کے جب سر قلم کیے

یہ بات سن کے رونے لگے شاہِ نامدار
وامسلما کہا کئی بار بحالِ زار
فرماتے تھے کہ ہائے مرے یارِ غمگسار
بھائی حسین تیری غریبی پہ ہو نثار
میں جانتا تھا اب مجھے لینے کو آؤ گے
اس کی خبر نہ تھی کہ یہیں چھوڑ جاؤ گے

گھبرا کے پکارتی تھی کہ صغرا کی خبر ہو
یارب مریضِ بیکس و تنہا کی خبر ہو
مسلم کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خبر ہو
غربت میں قاصدِ شہِ والا کی خبر ہو

ہے ہے وطن سے آن کے وہ لٹ گئے نہوں
بھائی مرے پدر سے کہیں چھٹ گئے نہوں

رخصت ہوا وہ مردِ مسافر بصد فغاں
نہلا کے سر کو گھر میں گئے شاہِ دوجہاں
آنکھوں سے اشک ریشِ مبارک پہ تھے رواں
حضرت کو روتے دیکھ کے گھبرائیں بیبیاں

صدمے سے رنگ بانوئے بیکس کا فق ہوا
زینب زمیں پہ اٹھ کے گری یہ قلق ہوا

رو رو کے پوچھا بچوں کی قبروں کا جب پتا
وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا
کی عرض کچھ نہ پوچھیے اے ابنِ مرتضیٰ
تجہیز کیسی قبر کجا اور کفن کجا

یوں دفن کم ہوا ہے کوئی کائنات میں
خندق میں لاش باپ کی بیٹے فرات میں

پیٹن کے چھاتیوں کو لگے پیٹنے حرم
چلائی رو کے زوجۂ مسلم کریں ستم
مارا گیا سفر میں غلام شہِ امم
فرما دیجیے کہ رانڈ ہوئی ہیں اسیرِ غم
صدمے اجل کے تین دموں پر گزر گئے
وارث بھی مر گیا مرے بچے بھی مر گئے

پوچھو کہ رانڈ ہو گئی عباس کی بہن
رنڈسالا اس پہ دو کہ نہ اس کو ملا کفن
مارا گیا مرے لیے ہے ہے وہ صف شکن
اب ہم تڑپ کے جائیں گے ہم سے چھٹا وطن
آ پہونچی فصل فاطمہ کے خاک اڑانے کی
زینب پہ ابتدا ہے مرے مارے جانے کی

روتے ہیں پڑھ کے شاہ تو زینب نے یہ کہا
بھیا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا
بیٹوں سمیت قتل ہوا ابن عم ترا
مسلم سے کوفیوں نے بڑی بیوفائی کی
کاٹی ہے لاش بھی مرے مظلوم بھائی کی

مسلم ہوئے ہیں داخلِ جنت شہِ انام
دنیا میں تا قیامِ قیامت رہیگا نام
کیا نیک بخت تھا کہ ہوا خلد میں مقام
تجدو جہاں نہیں رہیں گی صبح و شام
بالی سکینہ سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
بچے تمہارے فاطمہ زہرا کے پاس ہیں

واللہ جس کے دم سے ہوا اس کا ہے خیال
لازم نہیں سمجھیں کہ بھرے گھر میں طفل و بال
ہم سب غلام جن کے ہیں دیکھو تو اُن کا حال
ناگو دعا جہاں میں ہے فاطمہؑ کا لال
لازم ہے تم کو صبر کرو سب میں نام ہو
اُس کا نہ ہے شرف کہ تمہارا نام ہو

غل سن کے آئے خیمہ میں عباسؑ نامور
دیکھا بہن پڑی ہے سرِ فرشِ خاک پر
دل غم سے ٹکڑے ہو گیا رو دیئے جھکا کے سر
بولے قریب آکے خدا پر کرو نظر
سمجھیں گے اُن سے قابلِ مسلم نظر میں ہیں
بیٹو نہ سر کہ سیدِ والا سفر میں ہیں

مرثیہ

جب کربلا میں داخلہ شاہِ دیں ہوا
دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا
خورشید محوِ حسنِ حسینِ حسیں ہوا
پایا فروغ نیّرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے ہیرے کے نور سے

شور و بکا زنانہ ہوا کم تمام رات
سویا نہ کوئی خیمے میں اک دم تمام رات
تڑپا کیے امامِ دو عالم تمام رات
گھر میں رہا حسینؑ کے ماتم رات
بس اے انیس اب نہیں لکھنے کی تاب ہے
اس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

بولے فرس کو روک کے شاہِ فلک وقار
منزل پہ ہم پہونچ گئے احسانِ کردگار
کہ گزند اب اٹھائے کوئی یاں سے راہوار
یہ وہ زمیں ہے جس کے لئے دل تھا بیقرار
قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے

پر وحشتِ ہولناک کہاں یہ چمن کہاں
جنگل کہاں بتول کے گل پیرہن کہاں
کنبہ کہاں نبی کا یہ دارِ محن کہاں
غربت کہاں شکستہ دلوں کی وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

ہاتف نے دی صدا کہ یہ ہے شانِ کربلا
مختارِ کائنات ہیں مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا
بس اب تو ہاں بہشت ہے بستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جس سے عرش وہ دُرِّ نجف ملے

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہرو
دھویا کسی نے رخ کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنارِ جو
بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیرِ نیک خو
کھینچی اک آہِ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

اترا یہ کہہ کے کشتیِ امت کا ناخدا
جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے ہر اک سے یہ کہا
دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباس جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

اترو مسافرو کہ سفر ہو چکا تمام
کوچ اب نہ ہوگا حشر تلک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے یہی ہے مشہدِ امام
اونٹوں سے بار اتار کے برپا کرو خیام
بستر لگا دو شوق سے اس ارضِ پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا یاں کی خاک پر

حضرت کے حکم کا متر صد ہی جاں نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضورِ سبطِ پیمبر وہ ذی وقار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہی جاں نثار

اُمید بس یہ مرضیٔ آلِ رسولؐ ہو
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا
زینب جہاں کہیں وہیں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا
جا کر قریبِ محملِ زینبؑ یہ دی صدا

حاضر ہی جاں نثار امامِ غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامور
خیمہ کہاں بپا کریں یا شاہِ بحر و بر
ایذا ہی محملوں میں بہت اہلِ بیت پر
بچے ہیں نازکی میں گلوں سے زیادہ تر

کب تک عماریوں کے پردے میں چھپے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے گھٹے ہوئے

بولے لازموں سے عباسؑ باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
آتے ہی سرکشی پہ طریقہ ہے کونسا
کہہ دو کہ اہلبیت کے خیمے کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیوں کا احترام ہے
اُترو یہیں الگ کہیں یہ ادب کا مقام ہے

پر ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی دشت ظلم سے کوسوں صدا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
ایک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا
ابن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

تھا فکر میں حسینؑ دو عالم کا تاجدار
کھلوا رہے تھے خیموں کو عباسؑ ذی وقار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
رایت سیاہ سرخ نظر آئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
نرغہ کیا اسد نے کہ ظلم سے ہٹنے لگے ہم
کہنے لگے تم اہل دول ہو آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا ہے قدم
پھرتی ہے جو شمشیر سامنے آتا نہیں کوئی
بجا ہے کہ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں ادھر
ہے آج شب کو داخلہ لشکر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیر نر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر
گرجا کہ ہم اسد کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام
حاکم امیر کی ہمیں آئے سپاہ شام
چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام
دریا سے ہٹ کے آپ یہاں کیجیے قیام
لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کل معرکہ سپاہ کے ہوں گے فرات پر

بگڑے ابو ثمامہ و سعدِ فلک سریر
تولے زہیرِ قین نے شمشیرِ بے نظیر
جوڑا کمان میں ابنِ مظاہر نے ایک تیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں شریر
عباس کو غیظ لشکرِ بد خو پہ آ گیا
غصّے سے بل ہلال کی ابرو پہ آ گیا

ہر چند خاکسار ہیں فرزندِ بوتراب
پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
کہنی تک آستیں کو چڑھا بیٹھے ہم عتاب
گردوں ہیں تھرتھرا کے جھکے در رکاب
آجائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہو آسماں زمیں پہ زمیں آسمان پر

ہم پہلے آئے ہیں کہ تم آئے ہو تا بہ نہر
کیوں ناسمجھو یہ نہر نہیں فاطمہ کا مہر
چھوڑ آئے ہیں تمھارے بلانے پہ اپنا شہر
کیوں مسافروں پہ کرتا ہے جبر و قہر
اترے ابھی نہیں کہ لڑائی ٹھہر گئی
وعدے وہ کیا ہوئے وہ محبت کدھر گئی

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بولو کیا خبر ہوئی اے بنتِ مرتضیٰ
نہر سے برچھا بڑھا کے ہٹائے ہیں اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباسِ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب شست گر چکا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

چلائی رو کے زینبِ ناشاد و نامراد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سببِ کینہ و عناد
دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہِ عرش نہاد
ہمشیر کو نثارِ امامِ امم کرو
لوگو دعائیں اکبرِ مہ رو پہ دم کرو

رکتے تھے سب کے حضرتِ عباسِ ذی حشم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم بدم
تیغیں جو تولتے تھے ادھر بانیٔ ستم
کہتے تھے سر ہو گا بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعبِ حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیرِ جری دس ہزار کو

اور تجھیں قسم ہے جنابِ امیر کی
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ قلعہ گیر کی
سب سے جدا ہی چال ہے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام
عباس اُٹھ غضب میں چلے سوئے فوجِ شام
کُرسی سے جلد اُٹھ کے پکارے شہِ انام
بھیّا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے برّ و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

زینب پکاریں پیٹ کے زانو بصد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھیں جلال
کہہ دو کوئی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
غربت پہ ابنِ فاطمہ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصّے کو تھام لو

فرمایا شہ نے بھائی سے اب کھولیے کمر
زینب سے لی اٹھا کے شمشیر اور سپر
بیٹھے تھے ابھی کہ یہ اکبر نے دی خبر
فوج اور آ گئی ہے شام سے یا شاہ بحر و بر
مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
شہ نے کہا کہ ہوئے تمہیں کیا ہراس ہے

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا
لو اب اٹھا لو تیغ و سپر تم پہ میں فدا
دریا کو تم تو لے چلے اے میرے مہ لقا
وہ شیر ہو کہ دھاک ہو ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمہارے سوا ہو ترائی میں

آقا نے دی جو اپنے سر پاک کی قسم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحب کرم
پڑتی شکن جبیں پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہ امم
گردن جھکا دی تا نہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

پھر بیٹھے جا نماز پہ شاہِ فلک وقار
شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار
سر پر رکھا عمامۂ محبوبِ کردگار
پہنی قبائے خسروِ عالم پہ افتخار
پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے
باندھی کمر شفاعتِ امت کے واسطے

سجدوں میں یاں جھکے تو اِدھر عابدوں کے سر
فوجِ ستم میں ہو گئیں صف بندیاں اُدھر
دو چار تیر آ کے گرے جب قریبِ در
حضرت پہ آ کے روک لی عباسؑ نے سپر
کی عرض سرکشی پہ ہے سب فوجِ شام کو
فرمایا آپ نے یہ اجل کا پیام ہے

آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم
آپہونچے لے کے فوجِ گراں ابنِ سعدِ شوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانانِ شام و روم
آفت کی دوپہر تھی قیامت کا بھی ہجوم
کیسا شمار حصر تھا انتہا نہ تھی
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی

آیا عجب شکوہ سے شبیر نیر گام
طاؤس و کبک بچھتے تھے جلوہ خرام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں اٹھے امام
عباس نے رکاب کو تھاما با احترام
چھوتے قدم سے ہیں یہ ہوا غم زمین کو
جبریل جھاڑنے لگے شہپر سے زین کو

دیکھا گیا نہ شاہ سے پیادوں کا حال
بس الوداع کہہ کے چلا فاطمہ کا لال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہ خوش خصال
دیکھا کہ فوج سب ہے مسلح پئے جدال
جھک کے سلام غازیوں نے باادب کیا
گھوڑا سوار دوش نبی نے طلب کیا

رخصت کو اہل بیت نبی میں گئے امام
قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
وہ شور الفراق کا وہ یاس کے کلام
بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے شہ کا نام
رخصت ہوئی یوں تو لپٹے ہوئے سب حسین سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینب کے بین سے

فرمایا واں کثیر ہے لشکر یہاں قلیل
چھاتی اڑو کہ خالقِ کونین ہے کفیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل
دے گا مجاہدوں کو خدا اجرِ جلیل
ہاں اشتیاقِ خنجرِ قاتل ہمیں بھی ہے
درپیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

عباس نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شریر
مولا کہاں کا نام نصیحت کہاں پذیر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر
موقع بس اب ہے جنگ کا اے آسماں سریر
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ شیر ہوں
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

چلّوں میں جوڑنے لگے واں تیر اہلِ شر
پہنے حسینیوں نے ادھر کر دیئے سپر
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر
حجت تمام کی پہ نہ سمجھے وہ بد گہر
مطلق نہ کی تمیز خطا و صواب میں
تیر آئے لشکروں کی طرف سے جواب میں

اس وقت تھا عجیب شہ دیں پہ ہجومِ یاس
ڈھلنا وہ دوپہر کا وہ آندھی وہ دن وہ پیاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس
رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہِ حق شناس
اٹھتا تھا درد دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے
فرماکے یا علی وہیں بیٹھ جاتے تھے

لٹنے لگی علی کی بضاعت دمِ زوال
کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
زینب کے نور عین بھی جب کر چکے جدال
حضرت کو دے کے داغ سدھارا حسن کا لال
سترہ دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

نصف النہار تک تھا یہی شور کارزار
مرنے کو جو چلا وہ تڑپ کر ہوا نثار
رخصت اسے کیا تو اسے روئے زار زار
جاتے تھے آپ لاش اٹھانے کو بار بار
ایک ایک نے سعادتِ عقبیٰ حصول کی
دم نکلے سب کے گود میں سبطِ رسول کی

بھائی کے سر کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
بتاؤ کیا ارادہ ہوا اے حبیبِ مرتضیٰ
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا
پیاسی سکینہ مرتی ہے یا شاہِ کربلا
گزرے ہیں تین دن ہیں اُس خستہ صفات
گر اذن ہو تو پانی کو جاؤں فرات پر

یہ کہہ کے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
صدمے سے قلب ہل گیا تھرا گیا جگر
طاقت نے تن سے کوچ کیا جھک گئی کمر
کیا سنبھلے جس پہ ظلم کا یوں آسماں گرے
دل تھام کر زمیں پہ امامِ زماں گرے

بڑھ کر چچا سے کہتے تھے اکبر یہ دم بدم
رخصت کو عرض کرتے ہیں جب شاہِ دیں سے ہم
فرماتے تھے اشارے سے عباسِ ذی حشم
کہیو نہ کچھ تمہیں سرِ شبیر کی قسم
پہلے فدا وہ ہوگا جو خدمت گزار ہے
مر لے یہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عباسِ حق شناس
آئے سنا جو تشنگی کی سنتے ہی شہ کے پاس
بولے یہ شاہِ دیں کے سکینہ بہ درد و یاس
قربان عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
پھنکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے
سقائی کیجیے کہ یہ کارِ ثواب ہے

یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبیرؑ نوحہ گر
روئے جوان پسر کے لیے جس طرح پدر
رخصت کی اہلِ بیت کو بھی ہو گئی خبر
گھبرا کے آئی بالی سکینہؑ قریبِ در
چلائی عمو جان ادھر آ کے جائیے
دیدارِ آخری مجھے دکھلا کے جائیے

بولے بہا کے اشک امامِ فلک جناب
یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
صابر ہر ایک بلا میں ہے فرزندِ بوتراب
اچھا یہی صلاح ہے تو کیجے تلاشِ آب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدال کے ہیں
پانی یہاں کا سب یہ بہانے اجل کے ہیں

پھرا چپک بیک غضب کردگار نے
گھوڑے بھگائے فوج ضلالت شعار نے
کھینچا سر آسماں پہ زمیں کے غبار نے
سر پر اڑائی خاک سپہ روزگار نے
دن چھپ گیا یہ گرد پڑی روئے مہر پر
مٹی کا پل بندھا تھا محیط سپہر پر

کہہ کر یہ بات باگ اٹھائی سمند کی
صورت بدل گئی فرس سربلند کی
چھل بل ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
سرعت بلائیں لیتی تھی ہر جوڑ بند کی
بجلی چمک کے چھپ گئی پارا اڑ گیا
جنگل میں یوں اڑا کہ چکارا اڑ گیا

عباس نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام
ادنیٰ تمہارے باپ کا ادنیٰ ہوں میں غلام
دی تم نے آبرو مجھے اے دختر امام
اب ہوگیا جہاں میں بہشتی ہمارا نام
کوثر ہیں مجھ سے دوش پہ گر مشک آب ہو
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

چھاتی تک اُس نے پانی کو دیکھا جو آ گیا
گھوڑے کا دل ہوا صفتِ موج بے قرار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار
بولے یہ باگ چھوڑ کے عباسؑ نامدار
تو پی لے اے فرس کہ بہت تشنہ کام ہے
ہم پر تو بے حسینؑ یہ پانی حرام ہے

یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
طاؤس دُم اُٹھا کے بنا اسپ سربلند
چمکا جو عکس رُوئے علمدارِ ارجمند
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دوچند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکاچوند ہو گئی

دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام
ساحل تک آئے حضرتِ عباسِ نیک نام
نعرہ کیا کہ ترائی تو شیروں کا ہے مقام
وہ زور شور کیا ہوا اے ساکنانِ شام
تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹا دو تو جانیں کہ مرد ہو

جھکتے علم کو روک کے کہتے تھے بار بار
قوت عطا کرو مجھے یا شیر کردگار
دیتے تھے دم بدم یہ صدا شاہِ ذوالفقار
بیٹا ترے تھکے ہوئے بازو کے میں نثار
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
کاندھے پہ مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

بوچھاڑ یک بیک ہوئی تیروں کی ہے غضب
تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب
مشکل دو جہاں کے امیروں کی ہے غضب
بجھنے نہ پائی پیاس صغیروں کی ہے غضب
نیزے تھے اور چاند سے پہلو دلیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

گردن ہلا کے کہنے لگا اسپ تیز گام
بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام
اس قوم میں نہیں کہ ڈبو دوں وفا کا نام
آقا ابھی حسینؑ کے بچے ہیں تشنہ کام
مطلب یہ ہو کہ ذکرِ وفا چار سو رہے
تر خشک لب ہوں تو نہ ہو آبرو رہے

دہنا تھا ہاتھ جس میں تھی ہر دم
اب تھا بایاں ہاتھ میں مشکیزہ و علم
تلواریں دو چلیں جو کمیں گاہ سے بہم
اچھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
کس سے سپاہِ فوج کو کس رو دفع کریں
بتلاؤ اب کہ حضرت عباس کیا کریں

تلوار ہاتھ میں علم شاہ دوش پر
ہر سے پگاہ مشک رکھی گاہ دوش پر
اک تیغ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر
تلوار کیا پہاڑ گرا آہ دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جان حزیں تھا
دیکھا جو پھر کے دست مبارک نہیں تھا

واحسرتا وہ فوج کا بلوہ وہ ایک جان
فاقہ وہ تین دن کا وہ سوکھی ہوئی زبان
لڑنے کی فکر مشک کا دھڑکا علم کا دھیان
جی سن سے ہو گیا کہیں کڑکی اگر کمان
چمکی سناں تو تیر بدن پر رواں ہوئی
روکا سپر پہ تیر تو خاطر نشاں ہوئی

ان کا تو یاں ہے کچھ سنو واں کی اب خبر
ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
پٹکا ہوا ہے چھاتی سے عباس کا پسر
روتی ہے سر جھکائے سکینہ قریب در
زینب کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ ہے
بکھرائے بال زوجۂ عباس ساتھ ہے

گرز ستم سے شق ہوا تا گر سر جناب
تھرائے ہونٹ چھٹ گئی دانتوں سے مشک آب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب
گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے مثل آفتاب
تڑپے اٹھے کراہ کے خاموش ہو گئے
منہ رکھ کے خالی مشک پہ بے ہوش ہو گئے

ڈیوڑھی قریب تو آ نہ سکا کوئی نابکار
پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
اک تیر لگ کے مشک پہ گزرا جگر کے پار
پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی ہوئی دھار
ہے ہے سکینہ کہہ کے فلک پر نگاہ کی
مرنے پہ پیر تک کے بہشتی نے آہ کی

رستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم
اکبر سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بدم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہ امم
جو حال ہو چکا ہے کہ بھائی کا ہے الم
بازو پکڑ کے دلبر زہرا کو لے چلو
بیٹا چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو

کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر
پروا اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر
دوڑے زمیں سے اٹھ کے شہنشاہ بحر و بر
ماتم میں نوجواں کے دل اندوہناک تھا
تلوار ہاتھ میں تھی گریبان چاک تھا

زینب یہ عرض کرتی ہے رو رو کے دل فگار
ہے ہے یہ شور نہر پہ کیسا ہے میں نثار
کچھ دم الجھ رہا ہے نہیں قلب کو قرار
گرتی ہے کانپنے میں ردا سر سے بار بار
خیر اب نہیں ہے غیر کے انداز اور ہیں
بی بی یہ سب بہانے رنڈاپے کے طور ہیں

مر جائے گا حسینؑ برادر جواب دو
اے میرے نوجوان سے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبر جواب دو
اے نورِ چشمِ ساقیٔ کوثر جواب دو
لکنت زباں خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
بھیا تمہارے سر کی قسم ہم تمام ہیں

چلائے گر کے لاش پہ شبیر نامدار
بھیا تمہاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمہیں بھائی کا انتظار
آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو ہم کو بار بار
شاید زباں ہے بند جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو آپ بولتے نہیں

اس شکل سے ترائی میں پہنچے جو شاہِ دیں
رو کر بہت وہ کہنے لگے اکبرؑ حزیں
بابا یہی ہے لاش علمدار مہ جبیں
گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
رکھے ہوئے ہیں خاک پہ منہ یار دیکھئے
شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھئے

اکبر سے پھر کہا کہ علم خاک سے اٹھاؤ
پرچوں یہ شکل خیمۂ عصمت میں لیکے جاؤ
بیوہ ہوئی چچی اُسے پرسا دو خاک اڑاؤ
بیٹا چچا کے بچوں کو جا کر گلے لگاؤ
پوچھیں جو سب کہ سبطِ پیمبر کدھر گئے
کہہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے

اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کدھر گئے
منہ تو اٹھاؤ خاک پہ رخسار بھر گئے
واحسرتا حسینؑ کو بے آس کر گئے
اب کون دیگا دکھ میں نبی کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

یہ بات سن کے نزع میں عباسؑ تھرتھرائے
قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ آئے
دو بار سسک کے پکارے کہ ہائے ہائے
پھیروں دہن حسینؑ کے قدموں کے پاس لائے
ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا

غل پڑ گیا کہ شہ کے علمدار ہائے ہائے
اے نورِ چشمِ حیدرِ کرّار ہائے ہائے
اے ابنِ فاطمہ کے مددگار ہائے ہائے
اے فوجِ شہ کے جعفرِ طیار ہائے ہائے
چھوٹے تو ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر
دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر

ڈھونڈوں کہاں میں اے مرے عمو کدھر گئے
مجھکو بتا دو یا نہ وہاں کا جدھر گئے
دریا سے مشک بھیجدی اور خود گزر گئے
پانی پیا نہ تشنہ دہن کوچ کر گئے
شانے کٹے تھے مشک بھی تیروں سے کٹ گئی
ویا رب ہماری ہی قسمت الٹ گئی

فرماکے یہ بین سے اٹھے شاہِ انس و جاں
رو کر کمر سے باندھ دی وہ شاخ خونچکاں
پہونچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں
سر پیٹ کے سکینہ نے تب یہ کیا بیاں
اندھیر ہے جہاں مجھے کچھ سوجھتا نہیں
اوہو علم تو آیا ہے میرا چچا نہیں

مرثیہ

اللہ اللہ حر صفدر و غازی کا نصیب
جانِ محبوبِ الٰہی جسے فرمائے حبیب
ہجر میں لطف ملاقات کا دوری میں قریب
وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشق دلی کہتے ہیں
اُس کو دُنیا میں سعید ازلی کہتے ہیں

یکّہ فارسِ میدانِ تہوّر تھا حر
ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حر
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حر تھا حر
گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حر
ڈھونڈلی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
اے سپاہِ عرب شام و ری و کوفہ و شام
تم پہ ثابت ہو حسینؑ آج مری حجت کو تمام
پسرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
یہ سخن حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہے تو موقوف کرو

برچھیاں تول کے پھر غول وہ خونخوار بڑھے
نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلوں میں کماندار بڑھے
بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ ہتھیار بڑھے
اسدِ حق کے جگر بند کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

وصفِ حُر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور
آنے والے کی بہادر کا نہ ہو جب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور
پھر افواجِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمیں پر بھی ستارے نکلے

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ اُمت کا خیال
روک لیتا مجھے رستے میں یہ حُر کی مجال
تھام سکتا تھا لگامِ فرسِ برق مثال
پوچھ لو دیکھا تو اس نے مرے تیروں کا جلال
گفتگو پھر اسی جا ختم ہو جاتے
ہاتھ اک وار میں دونوں کے قلم ہو جاتے

تنگ آئے گا تو رکنے کا نہیں پھر شبیر
ایک حملے میں فنا ہوں گے یہ دولاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر
کاٹ جائے گی گلا سب کے یہ برّاں شمشیر
شیر ہوں لختِ دلِ غالبِ ہر غالب ہوں
ہوں جگر بندِ علیؑ ابن ابی طالب ہوں

مجھ کو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادہ پہ غربت میں جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں اگر سر مرا کٹ جائیگا
پھر چرخ ابھی اک دم میں الٹ جائیگا

ایک دن وہ تھا اور اک دن یہ زمانہ اُلٹا
کہ اسی طرح تپیں پیاس میں پانی کو دریا
چشمِ امید کیا سب نے پھرائی ہر نگاہ
کوئی اک جام بھی بھر کر نہیں دیتا ہے آہ
ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا
ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے مر مر کے فدا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ اٹی تھی جا
سقّے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاری ہے

گرچہ یہ امر نہیں اہلِ سخا کے شایاں
کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
پوچھ لو جو ہو موجود عیاں ہے یہ بیاں
اسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں
شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
منھ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

خیر تجھی سے ہے گا یہ قصور اور فتور
لکھیں گے عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکمِ شام مری جاں یہ وہ سزا دیگا ضرور
کر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہوئیں گے
زن و فرزند اسیرانِ بلا ہوئیں گے

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمرِ سعدِ شریر
یہ تو ہے صاف طرفداریٔ شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریفِ امیر
اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شبیر
سُن چکا ہوں میں کہ مشہور ہے کئی انوں سے
الفتِ شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

شہ کی مظلومی پہ گریاں تھی ہوئی شام کی سپاہ
عمرِ سعد نے کی مڑ کے رُخِ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہیں شاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
اُن کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
محسنِ حق ہیں جو نا شکر وہ کافر ہو جائے

جسکے پہ قاب غازی نے نکالی تلوار
سرخ آنکھیں ہوئیں برچھی لئے آگیا بار
تن کے دیکھا طرف فوج امام ابرار
پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر گویا
غل ہوا سید والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسینؑ ابن علیؑ جاتا ہے

غل تیرے بہکانے مجھے اور ابلیس
یہی کہ زمیں کا مالک ہے یہی رئیس
کیا مجھے دے گا ترا حاکم ملعون خسیس
کچھ تردد نہیں کہدو کہ لکھیں پرچہ نویس
ہاں سوئے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہوں
اے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

تم پکارا کہ زباں بند کرو او غدار
قابل لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار
ابن زہرا ہیں جگر بند رسول مختار
میرا کیا منہ جو کروں مدح امام ابرار
اک زمانہ صفت آل عبا کرتا ہے
آپ قرآں میں خدا ان کی ثنا کرتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
الغیاث اے جگر و جانِ رسولِ مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں حد و شمار
عفو کر عفو کہ ای چشمۂ فیضِ غفار
پار دریای خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

واں ہوئے علمِ امامت سے شہ دیں آگاہ
ہنس کے عباس کو فرمایا کہ ای غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حرِ ذی جاہ
سب کہو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاو لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند
حر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
کٹتے تھے شرم سے وہ دیکھ کے دوڑ کو کمند
یہ چھلاوا تھا کہ آہو تھی یہ فرس تھا کہ پرند
کیا سبک سیر تھے چمن او بہاری بھی تھی
ہم نہیں رہ گئے واں حر کی سواری بھی تھی

استغاثہ یہ کیا حر نے جو با دیدۂ نم
جوش میں آ گیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہِ امم
حر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم
شکر کر سبطِ رسولِ ثقلین آتے ہیں
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ
دوڑ کر چوم لیے پائے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر
ہم نے بخشی ترے اللہ نے بخشی تقصیر
ہیں رضا مند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کہہ کے یہ ساتھ لیے حر کو چلے شاہِ امم
ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ رے کرم
راست و چپ قاسم و اکبر تھے بشان و حشم
سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسؑ علم
دور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سایہ میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

یہ سخن سن کے پکارا پسر سعد شریر
ہاں طرفدار شہ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہ کثیر
فاتحہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حُر کا منہ سرخ ہوا فوج ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو لا شک لاریب
دامن حضرت شبیر نے ڈھانپے ہیں عیب
دولتیں ہیں کہ نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب
بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتف غیب
فیض پاکر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

رن میں جب شہ کی طرف سے حُر دیندار آیا
کس بشاشت سے لڑتا ہوا جرار آیا
قتل ہوا سید مظلوم کا غمخوار آیا
جاں نثار خلف حیدر کرار آیا
تیغ نور سے برّاہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرت اللہ نظر آتا ہے

حیف جھلکے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
سامنے چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خونریز ادھر اور ادھر تنہائی
باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آ گیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

بڑھ کے فرماتے تھے عباس یہ عزت و جاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ واہ حر غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاء اللہ
اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

کبھی حملے کیے پیہم جو کمانداروں پر
چل گئے تیر ملامت کے جفاکاروں پر
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر
صبح پھر اٹھ کے گری برق ستمگاروں پر
جل کے خرمن ہوئے یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کرگسیں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جناب شبیر
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے جری با توقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
پہنچے لاشے پہ امام دو جہاں قبلۂ خیر
چمنِ ہستیِ مہماں کو اجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر
ہو گئی آنسوؤں سے ریشِ مبارک سب تر
علی اکبر سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر
حر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں ہیں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پر ہے

سینۂ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے
رکھ دیا تیغ نے توسن پہ سر نہوڑا کے
علی اکبر نے یہ حضرت سے کہا جا کے
گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادمِ حضرتِ زہرا و علی گرتا ہے
خاک پہ اب وہ سعیدِ ازلی گرتا ہے

نیم وا چشم سے حر نے رخ مولا دیکھا
نیزہ بر سر زانوئے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرف عالم بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ ای حر جری کیا دیکھا
عرض کی حسن رخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

حر کو چونکا کے حبیب ابن مظاہر نے کہا
آپ بیتاب ہیں ای حر جری ہوش میں آ
دیکھ دیدار جگر بند جناب زہرا
کچھ دم پیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رکا ہی تو اشارے سے وصیت کرے
نزع میں نور الٰہی کی زیارت کرے

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور
میرے مہمان و مددگار و معین و یاور
گر گیا مجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
گر پڑا چھوٹ کے ہی اور آہ نہ کی مجھ کو خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے چشم کہ بھائی کو حسین آیا ہے

لاش اٹھا کر شہ دیں خیمے کے در پہ آئے
پاؤں بہنوں کے سنبھالے علی اکبر آئے
غل ہوا خیمۂ عصمت میں کہ سرور آئے
پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے
دختر فاطمہ سامانِ عزا کرنے لگی
فضہ پردے کے اُدھر آ کے بکا کرنے لگی

کہہ کے یہ گود میں شبیر کے لی انگڑائی
آ گیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی
چل بسے حُر جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائر روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہ والا کی طرف

قبلہ دیکھیے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں
پڑھتے ہیں کلمہ یہ دم بازپسیں
کوئی نزدیک ہوا یا شہ عرش نشیں
کھنچتی تن سے نکلتی ہے مری جان حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اُٹھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

سُن کے یہ شور ہوا حشر دلاور سے بپا
اے مددگار جگر بند پیمبر آئی ہے
خون میں سب تری تلوار سے تر ہی ہے
تشنۂ بیکس و مظلوم کے یاور ہی ہے
ادھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر میں سادات کے وحشت ہی کھائی بھائی

کہہ کے گھبرا کے کہ ماتم کے لیے کھول دو سر
روئے ناداں سکینہ اسے عمو کہہ کر
جاں گزا بین کریں بانوئے تفتیدہ جگر
ہم ادھر لاش پہ ماتم کریں تم روؤ ادھر
غل ہے فریاد کا آواز بکا آتی ہے
سُن لو ماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

شاہ چلائے کہ ای زینب و ام کلثوم
ہم بھی مظلوم ہیں بھائی بھی ہوا ہے مظلوم
حال ہے یاں اس کی نہ ظاہر ہے نہیں ہے معلوم
کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
آج ہو گا نہیں اشکوں سے جو منہ دھولوں گی
اس پہ یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

عمل تھا کہ یہ اچھوں کی رفاقت کا ثمر ہو
جنت گلِ زہرا کی محبت کا ثمر ہے
ایمان فقط نخلِ ولایت کا ثمر ہو
سرسبزیِ حر باغِ ریاضت کا ثمر ہو
مولا جسے چاہیں وہ گناہوں سے بری ہو
کھیتی یہ ہراول کی ہے کیونکر نہ ہری ہو

جب حر کو ملا خلعتِ پر خونِ شہادت
جنت میں گیا بخش گلگونِ شہادت
مستوجبِ رحمت تھا وہ مفتونِ شہادت
جاں بیچ کے پایا دُرِ مکنونِ شہادت
بے سر دیے ہرگز یہ ہم سر نہیں ہوتی
ہاتھ آئی وہ دولت جو میسر نہیں ہوتی

مرثیہ ٦

اب یاں سے رقم کرتا ہے یوں راوی صادق
جب قتل ہوا حُر سا مددگار موافق
پھر شہ پہ برسانے لگے تیر منافق
مرجانے پہ اک دل ہوئے سب شاہ کے عاشق
ایک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
مرکٹ کے بھی گرم تھا بازار اجل کا

فرمانے لگی زہرا مرے غم خوار کو لاؤ
جلدی مرے پیارے کے مددگار کو لاؤ
تعظیم سے تکریم سے جرّار کو لاؤ
لاؤ مرے آگے حُر دیندار کو لاؤ
پایا نہ کفن واں تو یہاں شاد کروں گی
میں حُلّۂ جنت اُسے امداد کروں گی

رویا ہے زہرا کا پسر واہ ری قسمت
زانوے حسینؑ اور وہ سر واہ ری قسمت
طوبیٰ کے تلے خلد میں گھر واہ ری قسمت
دُنیا سے ہوا راحت کا سفر واہ ری قسمت
کیا جلد گیا سوے ارم دارِ فنا سے
سوکھا جو پسینہ بھی تو جنت کی ہوا سے

جب اپنے رفیقوں کا پرا ہو گیا خالی
پھرتا تھا دم سرورِ کونین کا والی
پھر تھا کوئی مولا کا نہ ہمدم نہ موالی
لاشوں کو لگاتے تھے گلے سرورِ عالی
دیتا تھے اس طرح ہر اک دوست کے غم میں
جیسے کوئی روتا ہے برادر کے الم میں

رعشا تھا کہ تاب نہ تھی دست نکوکار
پرا ایک میں تھا کم تھی سپر ایک میں تلوار
جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار
بڑھ بڑھ کے وہی روکتے تھے سینے پہ ہر بار
بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت
جب تیر انھیں لگتا تھا تڑپ جاتے تھے حضرت

قربان تولا سے حبیب ابن مظاہر
یکساں صفت مہر نہیں باطن و ظاہر
عصیاں سے بری طیب و پاکیزہ و طاہر
جانباز جہاں دیدہ فن جنگ کے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے قد راست میں خم تھا
اس پر بھی بڑھا آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

اس وقت عجب عالم تھا شہ جن و بشر کو
نہ روح کو راحت تھی نہ آرام جگر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو نہ اکبر سے پسر کو
نہ عون و محمد کو نہ شبّر کے قمر کو
پودے تھے سب اک باغ کے پھل ایک شجر کے
وہ بھائی کا بیٹا تھا یہ بیٹے تھے بہن کے

قاسم حسنِ سبز قبا کا مہِ تاباں
عباسِ علی چشم و چراغِ شہِ مرداں
ہم شکلِ نبی نورِ نگاہِ شہِ ذی شاں
زینب کے پسر جعفر و زہرا کے دل جاں
تاباں نظر آتا تھا قمر پاس قمر کے
پانچوں یہ جری چاند تھے شبیر کے گھر کے

وہ طفل وہ جو تین شب و روز کے پیاسے
زینب کے پسر شیرِ الٰہی کے نواسے
خود اپنی شہادت کے طلب گار خدا سے
بے تاب کہ کیوں رہ گئے پیچھے شہدا سے
جینے کی ہوس کے جو مر جائیں گی اماں
لاشے بھی نہیں ہے کہ منگوائیں گی اماں

سرا کو اٹھ کے چلے گئے قاسم و اکبر
پاس شہ کے ہیں دو دو ہم پیکر شبیر کی مادر
شبیر کی وہ تصویر یہ ہم شکل پیمبر
توقیر اسی میں ہے کہ ہم صدقے ہوں اُن پر
مالک ہیں خداوند ہیں سردار ہیں دونوں
ہم اُن کے بزرگوں کے نمک خوار ہیں دونوں

گھبرا کے پکارے یہ تئیں سید ابرار
بس جھک کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرار
کی عرض سبب ہجر کا اے کل کے مددگار
ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
بے تاب ہیں دل جان لڑائی میں پڑی ہے
اے نور خدا ذرہ نوازی کی گھڑی ہے

ناگاہ ہوا شور جو ہے بزم طلبی کا
پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
غصہ ہوا شہزادۂ ہم شکل نبی کو
رایت بھی بڑھا ذات رسول عربی کا
حیدر کے نواسوں کے بھی ابرو پہ بل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا

دونوں یہ فرما کے ادھر لڑنے لگے شبیرؑ
جب بیٹھی تھی رانڈوں میں ادھر شاہ کی ہمشیر
سر زانو پہ تھا فکر میں اور لب پہ یہ تقریر
مجبور کیا بیٹوں نے یہی مری تقدیر
میں جانتی تھی پہلے اجازت یہی لیں گے
اس کی نہ خبر تھی کہ دغا وقت پہ دیں گے

یہ کہہ کے جو رونے لگے زینبؑ جگر بند
حضرت نے کہا ہیں تو ہم ہر حال رضا مند
چھوڑے ہیں کسی بھائی نے ہمشیر کے فرزند
کس منہ سے کہوں آہ کہ ہو جائے گی پیوند
تنہائی کا دکھ فاطمہؑ کا لال سہے گا
لاشے کے اٹھانے کو بھی کوئی نہ رہے گا

بسمل جو ہوئے مسلمِ مظلوم کے پیارے
ہم جیتے ہیں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
اماں نے کہا ہوگا کہ ابتک نہ سدھارے
جانوں کو بچاتے ہیں جگر بند ہمارے
قاسم ہیں جو توقیرِ شہادت نہیں ملتی
کیا جانیں اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

بانو نے کہا دیکھ لو پھر ان کو بلا کر
فرمایا نہیں آئیں گے خود پچھتا کر
پھر کیا سب نے تو گردن کو جھکا کر
فرمایا کہ اچھا کوئی کہہ آئے یہ جا کر
صدقے گئی کچھ کام نہ یاں آئے سدھارو
جاتے ہو تو شکلیں مجھے دکھلا کے سدھارو

فضہ سے یہ سننا تھا کہ بس رونے لگے سب
اور خاک پہ سجدے کو جھکیں حضرت زینب
فرمایا کہ صد شکر بر آیا مرا مطلب
عزت سے بچوں کی تم نے ہاتھ کیا اب
بہتر ہی جو لڑنے کو وہ یاں سے گئے دونوں
یہ خوشخبری آئے کہ مارے گئے دونوں

یہ ذکر تھا فضہ جو خبر لے کے یہ آئی
اے بی بی لٹی دولت زینب کی کمائی
دو ہیرے خدا دوست تھا جنگ کی پائی
زینب علی دہری ہیں آپ کے بھائی
بچے بھی شریک شہدا ہوتے ہیں لوگو
دو بھائی بھی ماں سے جدا ہوتے ہیں لوگو

خوش ہو کے کہا ماں نے کہ شاباش دلیرو
اب دیر نہیں خوب سدھارو مرے شیرو
ہاں چاہیے منہ نیزہ و خنجر سے نہ پھیرو
دو شیر ہو مل کر عمر و شمر کو گھیرو
توقیر تمہاری ہو مری ناموری ہو
سر دونوں کے لاؤ تو میں جانوں کہ جری ہو

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر
ہر دم تھے اسی فکر میں ہم دونوں برادر
جاتا تھا وہاں ایک کے بعد ایک دلاور
ہر دوست سے مل ملکے گلے روتے تھے سرور
کس سے کہیں آقا پہ جو کچھ رنج و تعب تھا
اس وقت میں رخصت طلبی ترک ادب تھا

غصہ گئی اور خیمے میں لائی انہیں ہمراہ
آئے صفت مہر لرزتے ہوئے دو ماہ
قدموں پہ گری ماؤں کے جوڑی جو وہ دیکھا
لپٹا کے گلے کہنے لگی بنت ید اللہ
ماؤں پہ فدا ہو تو ہو میں تم پہ فدا ہوں
لو آؤ کہ میں اب تو نہ غصے نہ خفا ہوں

ہاں صدقے گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا
پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سرد ہوا پا کے نہ جانا
حملہ ہو تو رہواروں کو گرما کے نہ جانا
ایسے تو نہیں جو مجھے محجوب کرو گے
نہیں دودھ بخشوں گی جو پیاسے تم مرو گے

واری ہو میں تم بھی مرے کام آؤ تو جانوں
آقا کی اطاعت کو بجا لاؤ تو جانوں
ان چھاتیوں پر زخم سناں کھاؤ تو جانوں
لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مر جاؤ تو جانوں
حقدار ہو سب حال سے محرم ہیں تمھارے
مجکو بھی پدر کا دکھ بس کم ہیں تمھارے

جس وقت ظفر یاب ہوئے حیدر کرار
اک ہاتھ میں سر عمرو کا اور ایک میں تلوار
فرمایا نبی نے یہ بہ اعلان وبہ تکرار
افضل ہے دو عالم کی عبادت پہ یہ اک وار
سر فتح کا تھا پاؤں پہ چالاک ولی کے
جبریل امیں چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

دونوں سے کہا ہوگا یہی فضلِ خدا سے
کیا بات ہے جیتے ہیں تو مر جائیں گے پہلے
ہم اور نہیں کوئی ۔ علی کے ہیں نواسے
غافل نہ رہیں آپ غلاموں کی دعا سے
کچھ ہم سے نہ تلوار سے نہ ڈھال سے ہوگا
جو ہوگا وہ سب آپ کے اقبال سے ہوگا

نیزوں کی طرف چھاتیاں تانے ہوئے جانا
ہاں تیروں کی بارش میں سپر منہ پہ نہ لانا
ہنس ہنس کے ہیں قربان گی برچھیاں کھانا
لازم ہے وہ ہمت کہ معرف ہو زمانا
اس جنگ کا چرچا سحر و شام رہیگا
دنیا میں اگر تم نہ رہے نام رہیگا

بھائی کسی ہنگام میں بھائی کو نہ چھوڑے
دونوں میں کوئی عقدہ کشائی کو نہ چھوڑے
جرأت کو جلالت کو لڑائی کو نہ چھوڑے
ہمت کو مروت کو بھلائی کو نہ چھوڑے
جو امر کہ مشکل ہے وہ دشوار نہ ہوگا
اک دل سے رہے جب تو کوئی چار نہ ہوگا

فرمانے لگے یہ دونوں کے بچوں کی بلائیں
در خیمہ کے باہر کو پھر آپ آ جائیں
فرمایا کہ قسمت میں جنہیں ہونا ہو وہ آئیں
دن ہو یہ سب آ کر تو بچے مرے جائیں
رن میں یہ ہمت اپنی دکھانے کو چلے ہیں
دونوں دُلہنیں بیاہ کے لانے کو چلے ہیں

صدقے ہیں ارادوں کے مرے شیر جوانو
اے بے وطنو فاقہ کشو تشنہ دہانو
اب غیظ سے تھرّاؤ نہ کہنا مرا مانو
ماں کہتی تھی پیارے اب مجھے تم خادمہ جانو
یہ فصل لڑائی کی نہیں کھیل کے دن ہیں
میں اس لیے کہتی ہوں کہ چھوٹے ابھی سن ہیں

جب کہہ چکی یہ جوشِ شجاعت میں وہ خوش رو
آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخساروں پہ آنسو
بہلانے لگی بچوں کو زینبِ خوش خو
اللہ یہ غصّہ کہ بل کھاتے ہیں گیسو
لڑنا ہی تمہیں فوج سے مطلوب ہے لڑو گے
اور دونوں نہ معلوم ہوا خوب لڑو گے

کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑوں پہ چڑھایا
دونوں نے شرف پایۂ معراج کا پایا
بجلی کا سب انداز سمندوں نے دکھایا
دوڑا کے دکھائی نہ دیا دھوپ ہیں سایا
ثابت نہ ہوا ایک پہ کیا ہو گئے دونوں
جنگل کو جو دیکھا تو ہوا ہو گئے دونوں

خیمے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر
دیکھا کہ حسینؑ ابن علیؑ روتے ہیں در پر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کی وہ صفدر
منہ کر کے سوئے چرخ پکارے شہ بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینب کی پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

سب بیبیاں آئیں جو کلیجوں کو سنبھالے
تسلیم کو جھک جھک گئے وہ نازوں کے پالے
جس وقت چلے خیمے سے وہ گیسوؤں والے
در تک گئی ماں خاک اڑا فرق پہ ڈالے
ڈیوڑھی سے جو دونوں دُرِ یکتا نکل آئے
نزدیک تھا یہ ماں کا کلیجہ نکل آئے

نانا اسد اللہ مددگارِ دو عالم
دیندار امورِ جہاں دارِ دو عالم
سلطانِ قضا منتظمِ کارِ دو عالم
سرتاجِ فلک جنبشِ دستارِ دو عالم
سب امرِ اہم عقل کی میزاں میں تلے تھے
عقدے وہ ہوئے حل جو کسی سے نہ کھلے تھے

دادا ہے کہ شہنشاہِ دو عالم کا مددگار
سردارِ جہاں فخرِ عرب جعفرِ طیار
وہ شقّہ طرازِ علمِ احمدِ مختار
آلودہ رہی خون میں جس شیر کی تلوار
ہاتھوں کے عوض حق سے سرِ دست لیے ہیں
اللہ نے پر اُن کو زمرد کے دیے ہیں

ناگاہ یہ بڑھ کر پسرِ سعد پکارا
اے شیر دلو نام و نسب کیا ہے تمھارا
تلواریں پکڑ کر یہ پکارے وہ دلآرا
خالق نے ہمارے لیے دنیا کو سنوارا
خورشید زمیں تاج سرِ عرش بریں ہیں
پہلا یہ شرف ہے کہ غلامِ شہِ دیں ہیں

تلوار نے چھوٹے کی نیا رنگ دکھایا
ضرب اسداللہ کا سب ڈھنگ دکھایا
حیرت ہوئی وہ زور دم جنگ دکھایا
راکب کو بھی مرکب کو بھی چورنگ دکھایا
ایسا کوئی طفلی میں نمودار نہ ہوگا
ہاتھ ایسا تو جعفر کا بھی طیار نہ ہوگا

تو پڑا ادھر یہ بھی کہ تیر آئے ادھر سے
پیغام وغا لے کے سفر آئے ادھر سے
سب اٹھ کے چلے ہیں اسیر آئے ادھر سے
دو بچوں پہ دو لاکھ شریر آئے ادھر سے
ان چھوٹوں پہ بھی بند ہوا دست ستم ان کے
بڑھ بڑھ کے ہی جاتے تھے پیچھے قدم ان کے

سن کر یہ رجز فوج کے سردار پکارے
ای قوم یہ شبیر کے ہیں بھانجے پیارے
تابندہ ہیں افلاک شرافت کے ستارے
ہاں گھیر لے ظالمو وہ سپر جو ہیں مارے
حیدر کی طرح صاحب شمشیر ہیں دونوں
لڑکا نہیں سمجھے تو کوئی شیر ہیں دونوں

پھر تھا کے جو ٹھہرا تو وہ لشکر میں در آیا
سے کو تڑپتے ہوئے لاشوں سے بھر آیا
پھر ڈوب گیا جب وہ اُدھر تو اِدھر آیا
اک چاند تہ خاک چھپا اک نظر آیا
ہٹ جائیگا لشکر تو یہ خود جھک کے لڑینگے
چھوٹے ہیں مگر بھائی سے کچھ بڑھ کے لڑینگے

ہنستے ہی بچوں پہ جھپٹ کر وہ چلے آئے
غصے سے دلیروں کے بھی ابرو پہ بل آئے
لشکر نے یہ جانا کہ وہ بچکر نکل آئے
آتا تھا کہ چاروں پہ تہ تیغ اجل آئے
احسنت کا برپا ہوا غل چرخ بریں پر
ٹکڑے جو گئے چار کے تھے آٹھ زمیں پر

چار آئے جو لڑنے کو تو اک دل ہوئے دونو
ٹھہرے نہ ہٹے مثل ہوئے دونوں
گرما کے وہیں جنگ پہ مائل ہوئے دونوں
چاروں کو یہ فرما کے مقابل ہوئے دونوں
ششدر نہیں ہوتے جو شجاعت کے دھنی ہیں
تم چار ہو ہم دو ہیں مگر تیغ زنی ہیں

سنتے ہی ڈیوڑھی سے ہٹیں حضرت زینبؑ
فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
اب کچھ نہیں سوا اس کے برآیا مرا مطلب
بولی یہ بول کر صفِ ماتم پہ چلو اب
بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں
سجدہ تو کروں شکر کا درگاہِ خدا میں

زینبؑ نے کہا دونوں ہیں یکجا کہ جدا ہیں
کی عرض یہ رو رو کے کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
لاکھوں ہیں عدو اور وہ دو ماہ لقا ہیں
منہ گھر سے پھیرے ہوئے سرگرمِ وغا ہیں
دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں اب تو
ہو ہو مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

پیدا نہاں وارثوں پہ تھیں کھولے ہوئے سر
شوہر کو بیٹے کا پہنچی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشاں کیے منہ خیمے سے باہر
پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

سن کر یہ صدا ہوش میں آئے وہ دلاور
سر رکھ دیا گھبرا کے شہ دیں کے قدم پر
اٹکے جو اکھڑ کے تو پھنسے دم سینوں کے اندر
دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر
فردوس میں جا کے مسافر ہوئے دونوں
کروٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

لاشوں کے قریب آ کے پکارے شہ صفدر
لے بھانجو ہو دیکھ یہ ہچکی دم بے پر
پر گرم زمیں اور ہیں گل سے تن انور
رن سے اٹھا کے مرے زانو پہ رکھو سر
ماموں سے عجب تم نہیں منہ موڑتے ہو
کن آنکھوں سے دیکھوں میں کہ دم توڑتے ہو

پڑھ کر یہ جو طبل بجا فتح کا ناگاہ
چلائے حرم لٹ گئی بنت اسد اللہ
بچے کو سوئے قتل بھیجیں زینب ذی جاہ
دوڑے طرف دشت پکارتے ہوئے شاہ
ہمراہ میں علم قاسم و عباس لیے تھے
ہمشکل نبی چاک گریباں کیے تھے

پہنچے ہی لاشے شہ والا نے اٹھائے
خیمے کے قریب دونوں کو روتے ہوئے لائے
غل تھا کوئی جلدی صف ماتم کو بچھائے
لاشے شہنشاہ کی ہمشیر کے جائے
چھوٹے علی اکبر دلگیر لیے ہیں
اک لاش کو خود گود میں شبیر لیے ہیں

عباس نے کی عرض بہ با دیدۂ خونبار
خیمے سے نکل آئیں نہ بیبیاں یک بار
لے چلیے انھیں خیمے میں اب یا شہ ابرار
بہتر ہے کہ ماں دیکھے نہ فرزندوں کا دیدار
لاشے جو نہ جائیں گے تو غم کھائیں گی زینب
پھر صبر سے تو کہاں پائیں گی زینب

گودی میں پلے تھے وہ جنھیں آغوش میں پالا
آنکھیں تھیں لہو اور جگر تھا تہ و بالا
بسمل کی طرح گر کے جو تڑپے شہ والا
عباس نے تھاما علی اکبر نے سنبھالا
رقت کا تھا یہ جوش کہ تھرائے تھے شبیر
ہر مرتبہ لاشوں سے لپٹ جاتے تھے شبیر

ناگاہ شہ عرش نشیں لاشوں کو لائے
غل پڑ گیا لو سرورِ دیں لاشوں کو لائے
تھم کر صفِ ماتم کے قریں لاشوں کو لائے
ہمشیر تھیں جس صف میں وہیں لاشوں کو لائے
دونوں کا لانا تھا کہ غش کر گئی زینب
ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی زینب

ان دونوں نے گر جانِ گرامی تو گنوائی
بن بیاہے گئے لال دلہن تک نہ بیاہی
میں ماں ہوں نہ صاحب مجھے یہ بات بھائی
اکبر کی اٹھارہ برس کی ہے کمائی
دل سے نہ یہ داغِ الم و یاس مٹے گا
صدقے اب اُتاروں گی تو وسواس مٹے گا

زینب نے کہا کیوں مجھے وسواس آئے
دو دو گل اکبر کے ہیں کیوں گود میں لائے
لو [illegible] اٹھائے
صدقے یہ پھوپھی لاش کے [illegible] جائے
دو روز سے وہ سرورِ والا تشنہ دہاں تھے
ان بچوں کی طاقت سے یہ بچے ہیں کہاں تھے

یہ سنتے ہی سُرخی سی رُخِ زرد پہ آئی
حضرت سے کہا آپ کا صدقہ ہو یہ بھائی
کونین میں عزت مرے دلبند نے پائی
اب شاد ہوئی ان سے یداللہ کی جائی
آقا مجھے پیارا نہ ہو اقبال پہ ان کے
بیکس ہیں خدا رحم کرے حال پہ ان کے

حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ
کس طرح لڑے دونوں غلامانِ ہوا خواہ
حضرت نے کہا مدح میں قاصر ہے زباں آہ
زینب مجھے یاد آ گئی جنگِ اسد اللہ
نانا کی طرح دونوں نواسوں نے وغا کی
بچوں کی نہ تھی جنگ یہ قدرت تھی خدا کی

ہوش آیا تو اکبر سے کہا لاشوں کو اٹھاؤ
ہے ہے نہ کرو صاحبو اک لحظہ ٹھہر جاؤ
عباس کی زوجہ کو یہ بولیں کہ ادھر آؤ
کیا روتی ہو کپڑے علی اکبر کے بدلواؤ
بانو ہیں کدھر آؤ یہ کیا بے خبری ہے
سب خوں میں مرے لال کی پوشاک بھری ہے

اب ضبط کی طاقت نہیں اماں کو سنبھالو
انگڑائیاں اب بات کرو نیند کو ٹالو
سینے میں اُلجھتا ہے دم او گیسوؤں والو
واری مجھے خدمت سے کسی پاس بلا لو
میں ہونگی تو راحت سے تمھیں یاس نہ ہوگی
کیا گزرے گی منزل پہ جو ماں پاس نہ ہوگی

کچھ آج ہے غفلت عجب اس نیند کے ہاتھو
باعث ہے یہ بچپن کا سبب اس نیند کے ہاتھو
چونکو ذری خاطر سے اب اس نیند کے ہاتھو
پھر سوئیو آج ہی شب اس نیند کے ہاتھو
پھر کیا ہے جو بچپن کے یہ انداز نہیں ہیں
گردن ہے کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں ہیں

فرما کے یہ لیں اُن کی بلائیں کئی باری
شانوں کو ہلا کرکے یہ آہستہ پکاری
کرتے ہیں امامِ دوجہاں منت تمھاری
یہ کیا ہے جو تسلیم کو اُٹھتے نہیں واری
صدقے گئی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹھے ہیں حسینؑ ابن علیؑ اُٹھو تو کھڑے ہو

ڈھلکے یہ غش ہو گئیں اور پھر ہوئیں ہشیار
پوچھا کہ کدھر ہے علی اکبر مرا دلدار
بانو نے کہا شاہ سے با دیدۂ خونبار
اب فرق بصارت میں بھی ہے یا شہ ابرار
اب کی جو غش آیا تو گزر جائیں گی بہنیں
لے جائیے لاشے نہیں مر جائیں گی بہنیں

گھبرا کے وہ مخدومۂ عالم یہ پکاری
مر جائے یہ ناشاد بلا لے کے تمہاری
بن بیاہے ہو تم لاشوں کے پاس آؤ نہ واری
تم روؤگے اس ڈر سے میں کرتی نہیں زاری
بانو میں بھی کچھ بین کے پہلو نہیں نکلے
آنکھوں سے مری دیکھ لو آنسو نہیں نکلے

یہ کہہ کے جو چھاتی پہ دوہتڑ لگی مارے
سینہ پہ اٹھا ہاتھ بھی بیتاب ہوئے سارے
ہمشکل نبی پاؤں پہ گر کر یہ پکارے
بس والدہ اب رو لئے لاشے پہ ہمارے
اب پاس ہیں آپ اور شہ شبیر رہیں گے
بھائی نہ رہے خلق میں ہم بھی نہ جئیں گے

مرثیہ

دیر تک گیسوں لاشوں پہ پیٹنے کو کھلے سر
پھر رانڈوں نے جانے نہ دیا خیمے کے باہر
چلائیں در خیمہ کے پردے کو اٹھا کر
گاڑو گے کہاں بھائیوں کو وہ علی اکبر
ڈرتی ہوں کہ خفا مجھ سے مرے لال نہ ہو جائیں
صدقے گئی لاشے کہیں پامال نہ ہو جائیں

پہنچے ہی لاشوں کو اٹھانے لگے سرور
رانڈیں سب آ گرد تھیں کھلے ہوئے سر
بانو نے کہا ہٹ کے ادھر روک لی چادر
چلائی کہ مجھکو شہ مظلوم کی خواہر
ٹھہرو ابھی کیوں داغ دیے جاتے ہو لوگو
ہے ہے مرے بچوں کو لیے جاتے ہو لوگو

دوری کا غم ہے کیوں نہ بہیں اشک متصل
پالا ہے بہن آہ تجھے کس طرح سے دل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ دردِ جاں گسل
اے موت آکے روحِ علیؑ سے نہ ہوں خجل
رخصت کا حرف لب پہ بھی لایا نہ جائیگا
مجھ سے تو یہ پہاڑ اُٹھایا نہ جائے گا

صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہے ضبطِ آہ
فرماتے ہیں کہ تھام لے بندی کو یا اِلٰہ
کیا مرحلہ ہے سخت یہ کیونکر کٹے گی راہ
بھائی مرا یہی ہے یہی لشکر یہی سپاہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں
تیغِ علیؑ کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر
طاری ہے خوفِ مرگ ہر اک ذی حیات پر
صدمہ عجب ہے بادشہِ کائنات پر
آنکھوں سے اشک بہتے ہیں بات بات پر
بجھتا ہے وہ جو قبرِ علیؑ کا چراغ ہے
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا داغ ہے

حضرت اُدھر تڑپتے ہیں ہاتھوں کو مَل کر
عباسؑ بھی یوں کرتے ہیں رخصت طلب اِدھر
بی بی نے دی سوکھی مشک سکینہ نے بچشمِ تر
فرماتے ہیں بھتیجی کا منہ چوم چوم کر
بیٹھے تھا ذکر آپ تسلّی کے واسطے
اب جاکے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے

زینب کے لال مر گئے لشکر بچھڑ گیا
سہرا دکھا کے قاسمِ بے پر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہوئے سب گھر بچھڑ گیا
بچھڑے نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
اس معرکہ میں ذبح ہوں پہلے تو عید ہو
سبطِ نبی کے بعد یہ بھائی شہید ہو

یہ فوج اور شجاعتِ حیدر کی یا کریم
قوت یہی مرا یہی جرأت ہے یا کریم
پیارا اسی سبب سے بھی یہ برادر ہے یا کریم
یوں سب ہیں پیارے یہ دو گھڑی ہی یا کریم
بازو یہی یہ ہاتھ ہے اس کے ہاتھ میں
میں جانتا ہوں شیرِ خدا میرے ساتھ ہیں

گردن جھکا کے شرم سے بولی وہ مہ جبیں
پوچھیں حضور میں نے کچھ ان سے کہا نہیں
عمو کو لائیں گود میں جب بانوے حزیں
ہاں مشک دی تصور یہ کیا یا امام دیں
مجرم ہوں جو لب پہ حرف شکایت بھی آئے ہوں
بچے قسم زباں کے جو کانٹے دکھائے ہوں

فرمایا میری مرگ گوارا کرو تو جاؤ
مشکیزہ بھر کے چاند سی چھاتی پہ زخم کھاؤ
اچھا سکینہ جس میں خوشی تم ہمیں رلاؤ
پر کیا سکھا کے لائی ہو بی بی ادھر تو آؤ
ثابت ہوا کہ ہاتھ سے عمو کو کھوؤ گی
پانی کو اب ترستی ہو پھر ان کو روؤ گی

جس جا حسین بیٹھے تھے عریان سر کیے
واں خود گئے بھتیجی کو آغوش میں لیے
کی عرض آپ کیا کوئی خون جگر پیے
پانی کہیں سے آئے تو یہ جاں بلب جیے
ہچکی لگی ہے اصغر تشنہ کام کو
مولا بس اب نہ روکیے اپنے غلام کو

نکلا جو حرم سرا سے وہ آسماں حشم
نصرت نے گرد پھر کے لیے بوسۂ قدم
شوکت وہ اُس جناب کی وہ رفعتِ علم
پنجے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بدم
ذروں سے شرمگیں تھی گہر لعل سنگ سے
صحرا زمرّدی تھا پھریرے کے رنگ سے

بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیرِ ژیاں چلا
غل پڑ گیا کہ بادشہِ دو زماں چلا
چلائے اہلبیت کہ راحت رساں چلا
لو فاطمہؑ کے گھر سے علیؑ کا نشاں چلا
سادات کس بلا میں گرفتار ہو گئے
ہے ہے حسینؑ بیکس و بے یار ہو گئے

یہ سُن کے گود میں لیا اُس تشنہ کام کو
عباسؑ خم ہوئے شہِ دیں کے سلام کو
باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو
لپٹا لیا برادرِ عالی مقام کو
حالت جو غیر ہو گئی زہراؑ کے جائے کی
قبرِ علیؑ سے آئی صدا ہائے ہائے کی

بچوں کا ایلچی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں
سقائے اہلِ بیتِ رسولِ انام ہوں
شبیر کی سپر ہوں علی کی حسام ہوں
شاہوں کا شاہ ہوں شہِ دیں کا غلام ہوں
بھیجے جو تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا
یہ مشکِ آب نہر سے بھر کے جاؤں گا

نعرہ یہ تھا کہ گوہرِ برجِ شرف ہوں میں
فرزندِ صاحبِ شرفِ من عرف ہوں میں
فخرِ سلف جو شاہ ہے اس کا خلف ہوں میں
اللہ و پنجتن ہیں جدھر اس طرف ہوں میں
رایت بکف رہوں خدا کی سپاہ کا
پیرو ہوں بادشاہِ ہدایت پناہ کا

نیزہ زمیں میں گاڑ کے گرجا جو شیرِ نر
چہروں کے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
نکلے رجز ہیں خشک زباں سے وہ شعرِ تر
جس کے جواب میں فصحا نے جھکائے سر
غل تھا زبانِ ناطقہ الکن ہے لال ہے
لاریب شبہ مصحفِ ناطق کا لال ہے

حجت تمام کرنے کی خاطر تھے یہ کلام
ہیں ورنہ شراب خوار کی بیعت کرے امام
سوکھی ہوئی زباں جو ہلاوے وہ تشنہ کام
حاضر ابھی ہوں چشمۂ کوثر کے لاکھ جام
قدرت ہو سب طرح کی امام جلیل کو
چاہیں تو وہ سبیل کریں سلسبیل کو

ایسا سخن کبھی جو سنا تھا نہ کان نے
برچھی سی لگ گئی نہ کہا کچھ زبان سے
جھومے فرس پہ جب شہ مرداں کی شان سے
بس خود بخود نکلنے لگی تیغ میان سے
نعرہ کیا کہ او سگ ناپاک دور ہو
یہ کیا سخن ہے منہ میں تری خاک دور ہو

چلایا شمر تب کہ عبث ہے سوال آب
دیں گے زبان تیغ سے ہم آپ کو جواب
بچوں کی پیاس ہے جو حضرت کو اضطراب
پھر کس لیے ہے بیعت حاکم سے اجتناب
چھوٹے سے گھٹنیوں اگر اصغر بھی آئے گا
جز آب تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

شفائے اہل بیت پکارا بچشم تر
میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پر
پیاسا ہے تین روز کا مختار خشک تر
بچے تڑپ رہے ہیں ہوا ہے مرا جگر
طوفاں کا دھیان صاحب کشتی کو چاہیے
بچوں کی پہلے فکر بہشتی کو چاہیے

رستا کنار نہر جو پہونچا وہ شہسوار
خوں پونچھ کر رکھی تہ راں تیغ آبدار
آئی صدا حضرت الیاس با وقار
اے نور عین ساقی کوثر ترے نثار
سر پر ہو کون تیغ پکڑ کر جو تو بڑھے
دھو ہاتھ منہ کہ نہر کی بھی آبرو بڑھے

یہ کہہ کے لی نیام سے جو تیغ شرر فشاں
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظ زماں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
دہشت سے تھرتھرا گیا برج آسماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غل تھا کہ فوج شام کا دفتر الٹ گیا

ٹھنڈا جو ہو گیا علمِ شاہِ دیں پناہ
عباسِ نامور نے بھری دل سے ایک آہ
دانتوں سے پکڑی مشک کہ محنت نہ ہو تباہ
مشکیزے پر بھی تیر لگا وا مصیبتاہ
گھوڑے سے ڈگمگا کے بصد یاس گر پڑے
پانی کے ساتھ حضرتِ عباس گر پڑے

برسے جو دس ہزار کمانوں سے تیرِ کیں
غربال ہو گیا تنِ عباسِ مہ جبیں
در پے کر گیا جو پرے سے اک لعیں
بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے یمیں
ڈر کر نگاہ کی کہ الٰہی یہ کیا ہوا
اک ہاتھ رہ گیا تھا سو وہ بھی جدا ہوا

دریا سے شاہ جب کے جو نکلا وہ تشنہ کام
پھر چوٹ پر چھری کی چلی تن سے زخم تمام
تنہا جو بے وطن پہ ہوا حملہ عام
ہر سمت ہر طرف سے چلنے لگے نیزہ و حسام
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دو اس دلیر کو
کشتہ کرو ترائی میں حیدر کے شیر کو

شانوں پہ سارے جسم کا جب بوجھ گر گیا
ریتی پہ تھرتھرا کے جھکے آپ قبلہ رو
آواز دی کہ آیئے یا شاہِ نیک خو
مرتے ہیں کاٹ بیٹی کے در پر ہیں کیجیے جو
خوں میں تڑپ تڑپ کے یہ غم خوار رہ نہ جائے
صدمہ یہ ہے کہ حسرتِ دیدار رہ نہ جائے

مڑ کر جو فرطِ غیظ سے قاتل پہ کی نظر
مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر
جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر
تیور جو آئے جھوم کے سنبھلا وہ شیر نر
جوشِ غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیر سی
گویا پیوستہ تھا چشمِ ولی کے

اٹھ بیٹھے کر کے حضرتِ عباسؑ ذی حشم
گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا علم
جھک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ با کرم
گرزِ گراں غضب سے پڑا سر پہ یک ستم
ٹکڑے ہوا جگر اسدِ ذوالجلال کا
سر پاش پاش ہو گیا حیدر کے لال کا

پُر درد قتلِ حمزہؑ و جعفرؑ ہوا ہے پسر
یومِ وفاتِ حضرتِ شبّرؑ ہوا ہے پسر
یہ ماتمِ شہادتِ حیدرؑ ہوا ہے پسر
صبر اب کہاں یہ داغِ برادر ہوا ہے پسر
ہر اِک الم بتولؑ کی جائی سے پوچھیے
صدمہ جوان بھائی کا بھائی سے پوچھیے

عباسؑ کے پسر کو تو کہدو کہ گھر میں جا کے
دیکھو حرم سرا سے سکینہؑ نکل نہ آئے
فضّہ ابھی خبر نہ کسی رانڈ کو سنائے
اکبرؑ گذر گیا مرا اکبرؑ ہائے ہائے
پُرسا تو دوں نجف کی طرف مجھ کو موڑ دو
سر پیٹتا چلوں گا مرے ہاتھ چھوڑ دو

سُنتے ہی اس صدا کے شکستہ ہوئی کمر
تڑپے شہِ زمن کہ منہ کو آ گیا جگر
کانپے جو پاؤں تھام لیا بازوئے پسر
چلاتے تھے کہو علی اکبرؑ چلیں کدھر
خورشید کیوں چھپا ہے یہ کیا واردات ہے
کچھ سوجھتا نہیں ہمیں دن ہے کہ رات ہے

نرغوں کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال
عباس تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
او میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال
صفدر نے مسکرا کے کہا شکرِ ذوالجلال
آرام آ گیا تپشِ روح و دل گئی
آپ آئے کیا کہ دولتِ کونین مل گئی

بھائی کی لاش بھائی نے دیکھی جو خوں میں تر
اٹھا یہ دل کہ منہ کے قریب آ گیا جگر
بولے یہ آنکھیں کھول کے عباس نامور
اکبر سنبھالو قبلۂ عالم کو بیٹھ کر
صدقے ہزار جان امامِ غیور کے
مجھ کو اٹھا کے گرد پھراؤ حضور کے

جس دم قریب لاش کے لائے حسین کو
عباس جاں بلب نظر آئے حسین کو
تڑپا وہ شیر سن کے صدائے حسین کو
اکبر نے ہاتھ اٹھا کے دکھائے حسین کو
دو کوہ غم کے دل پہ جو اک بار گر پڑے
پہلو میں لاش کے شہِ ابرار گر پڑے

اُٹھ کر پکارے حضرتِ شبیرِ نامدار
ہیں لٹ گیا زمانہ میں یا شیرِ کردگار
ہے ہے مرا شفیق مرا یار و غمگسار
خدمت گزار عاشقِ صادق وفا شعار
بھائی کا کیا سفر ہوا ہیں آپ مر گیا
بچے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا

یہ کہہ کے پائے شاہ کی جانب ڈھایا
کانپے ہو جری ہوں آنکھوں کو کھولکر
ٹپکے قرہ کے خون کے قطرے ادھر ادھر
کس یاس سے حسین پہ کی آخری نظر
منکا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کی گود میں

رونے لگے یہ کہہ کے جو عباس ذی وقار
فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
کی عرض بے شک اب تو نکلتی ہے جان زار
غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہِ نامدار
تلواریں کھینچ کھینچ کے لشکر جو آئیگا
اب کون ہے جو قبلۂ دیں کو بچائیگا

پہرہ والوں کے خیمے کا فضہ نے دی صدا
او پیٹنے والو بی بی کو بہت دو دلاسا
لائے ہیں گھر میں مشک و علم شاہ کربلا
مارے گئے چچا مرے عباس باوفا
موت آئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی
ہے ہے علی کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

پہونچے حسین خیمۂ اقدس کے جب قریب
تب آگے بڑھ کے جھک کے علی اکبر حزیں
دوڑا تڑپ کے دلبر عباس مہ جبیں
چلایا کیا غضب یہ ہوا یا امام دیں
کوتل ہے کیوں فرس مرے بابا کدھر گئے
سر پیٹ کر حسین پکارے کہ مر گئے

صدمے سے تھی علی کی بھی ٹوٹی ہوئی کمر
چھینٹیں پڑی تھیں خون کی بر چھینٹ پیرہن پر
پرچم پہ یوں جھکا ہوا پنجہ تھا خون میں تر
جس طرح پیٹتا ہے کوئی سوگوار سر
پیدا تھی ہر قدم پہ علامت نشان سے
پیٹو کہ اٹھ گیا مرا حامی جہان سے

اُلٹے دلِ خراشِ علیؑ کی بہو کے بین
سُکّانِ آسمان و زمیں کو بھی تھا نہ چین
چادر پڑی تھی منہ پہ کہ تھے سامنے حسینؑ
تھامے تھی ہاتھ خواہرِ سلطانِ مشرقین
ٹکڑے تھی تیغِ غم سے دلِ سوگوار کے
[illegible] چاہا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علیؑ کے لال
بکھرائے ہیں حسینؑ کی بہنوں نے سر کے بال
پیٹی پچھاڑیں کھا کے جو بانوئے خوش خصال
مٹی پہ لوٹنے لگے اطفالِ خورد سال
فق ہو گیا سکینہ کا منہ سانس رُک گئی
پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی

اکبر نے آ کے گاڑ دیا صحن میں علم
کھولے سروں کو زیرِ علم آئے سب حرم
حضرت پکارے پیٹ کے زانو بہ دردِ غم
لو زینبؑ اپنے بھائی کو رو لو کہ رن میں ہم
جیتے رہے تھے اس الم و یاس کے لیے
رنڈسالہ لاؤ زوجۂ عباسؑ کے لیے

بی بی دور سے نصیب کے ظلم سے بچھڑ گئی
مرتی کہ کیوں نہ میں دم رخصت بچھڑ گئی
کن آفتوں میں تھی کہ مصیبت یہ پڑ گئی
واللہ مجھے بلاؤ کہ دنیا اُجڑ گئی
کیا راہ و رسم تھی یہی دنیا کے رشتے میں
لونڈی تو قید خانہ میں صاحب بہشت میں

کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیر حق کے لال
بچوں کی اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھاتی تھی جس کے بالوں کی بو آٹھوں پہر
اُس نے تمہارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب وصل کے وہ دن نہ شبیں اشتیاق کی
کیونکر کٹیں گی دشت میں راتیں فراق کی

پچھی کر جو بہت گھڑی دن کی راہ میں
اس وقت ہاتھ اُٹھا کے پدر کی بلائیں لیں
منہ زرد ہے سوز ہجر کا ہی وہ دل حزیں
صاحب حسین روتے ہیں تم کو خبر نہیں
جنگل بسا دیا شہ والا کو چھوڑ کے
صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

مرثیہ (۸)

صاحب تھیں سکینہؑ بانو کی قسم
صاحب تھیں مصیبت سجادؑ کی قسم
تم کو حسینؑ کشتۂ بیداد کی قسم
تم کو ہمارے نالہ و فریاد کی قسم
جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیائے زشت میں
مجھ کو بھی اپنے پاس بلا لو بہشت میں

یوں منہ کو موڑنا تو طریقِ وفا نہیں
صدقے گئی مرا تو کوئی آسرا نہیں
کیونکر کہے جہاز موافق ہوا نہیں
منجدھار میں تو ناؤ ہے اور ناخدا نہیں
دیتی ہوں واسطہ میں شہِ مشرقین کا
واں مجھے بلائیے صدقہ حسینؑ کا

عباس چاہتے تھے کہ پہلے ہوں میں نثار
اکبر کا عزم تھا کہیں اب سر و تن پہ وار
بھائی کے غم میں روتے تھے آلِ نامدار
عمو سے پہلے جائیں ہمیں بہر کارزار
جاتا ہے وقت ہاتھ سے گر اب فدا نہ ہوں
حضرت یہ چاہتے ہیں کہ دونوں جدا نہ ہوں

زخمی تنِ ضعیف میں لب خشک رنگ زرد
سینے میں گاہ ہوک اٹھی گاہ دل میں درد
چھینٹیں قبا پہ خون کی گیسوؤں پہ گرد
خالی پروں کو دیکھ کے بھرتے تھے آہ سرد
غم تھا کہ ابنِ فاطمہ آفت میں کیا کرے
اب ہم سے دیکھیے کسے قسمت جدا کرے

جس دم حسینؑ دلبرِ شبر کو رو چکے
غربت میں یادگارِ برادر کو رو چکے
پالا تھا جس کو اُس مہِ انور کو رو چکے
صفدر کو تشنہ لب کو دلاور کو رو چکے
دل پر ہجومِ حسرت و اندوہ و یاس تھا
اک بھائی اور ایک پسر شہ کے پاس تھا

شہ نے کہا کہ اس میں کسی کو ہے کیا کلام
تم غیظ میں جو آؤ تو ہل جائے روم و شام
لیکن مگر یہ غیظ و غضب کا نہیں مقام
میری تو یہ دعا ہے کہ ہو صابروں میں نام
پہلے مروں میں تم نہ اگر سدِ راہ ہو
مجھ کو نہیں قبول کہ امت تباہ ہو

دیکھا ہے جب سے لاشۂ قاسم کو پائمال
چھریاں جگر پہ چلتی ہیں یا شاہ خوش خصال
گر قبلۂ امم سے ملے رخصت جدال
دشمن ہزار کو ابھی کر دیں لہو سے لال
روکے غلام کو یہ کسی کا جگر نہیں
ورنہ چھپیں یہ تو علی کے پسر نہیں

اٹھتا ہے اہل بیت سے جب شور العطش
شہ کہتے ہیں قریب ہلاکت ہیں فاقہ کش
کرتے ہیں عرض رو کے علمدار با ہوش
شاید سکینہ جان کو پھر آگیا ہے غش
کس سے کہیں جو قلب پہ صدمے گزرتے ہیں
افسوس ہم تو جیتے ہیں معصوم مرتے ہیں

رونے لگے یہ سن کے شہنشاہ بحر و بر
عباس آئے خیمہ کے اندر جھکائے سر
سیدانیاں یہ کہنے لگیں تھام کر جگر
کیا ہو جو روتے آئے ہیں عباس نامور
اکبر کی خیر ہو شہ والا کی خیر ہو
یارب وطن میں فاطمہ صغرا کی خیر ہو

کہنے لگے یہ رو کے علمدار ذی حشم
میرا ہی اتفاق ہے نگہبانِ حرم
کرتے ہیں گر سپرد یہ عہدہ شہِ اُمم
بہتر ہے پھر کسی کو عنایت ہو یہ علم
نام و نشاں سے کام نہ دنیا سے کام ہے
مجھ کو رضائے سید والا سے کام ہے

تم ہو گے تو تباہ نہ ہوگا ہمارا گھر
فاقہ کو پہریں نہ بٹھائیں گے اہل شر
عریاں نہ ہوں گے بلوے میں سیدانیوں کے سر
زینب کو شام میں نہ پھرائیں گے دربدر
بچ جائیں گے سبھوں کے گلے ریسمان سے
بندے نہ چھینیں گے سکینہ کے کان سے

حضرت کے منہ کو دیکھ کے زینبؑ نے یہ کہا
آپ ان پہ شیفتہ ہیں یہ ہیں آپ پہ فدا
صدقے بہن ہو بھائی انہیں بخشے رضا
دنیا میں اور بھی ہے کوئی ایسا باوفا
مثلِ علیؑ جہان کے شجاعوں کے تاج ہیں
ظاہر ہے آپ پر کہ یہ نازک مزاج ہیں

عباسؑ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال
ہیں شیرِ کبریا کی جگہ شاہِ خوش خصال
کیا ذکر ہے ملال کا اے فاطمہ کے لال
عاجز ہوں شکر میں ترے بار سب آپ کے بال
حضرت غلام کہہ کے پکاریں تو شاد ہوں
مادر مری کنیز ہے یہ خانہ زاد ہوں

اکبرؑ کا ہاتھ تھام کے گھر میں حسینؑ نے
دیکھا کھڑے ہیں حضرت عباسؑ سر جھکائے
پھیلا کے ہاتھ سبطِ شہِ دیں حسین نے
آؤ گلے لگو کہ دل چین پائے
تم تو عزیز ہو مجھے اس نور عین سے
کس بات پر خفا ہوئے بیکس حسینؑ سے

آمد علی کے شیر کی ہے رزم گاہ میں
دہشت سے ہلچل ہے عدو کی سپاہ میں
ہر چند ابھی سواری صفدر ہے راہ میں
بجلی چمک رہی ہے عدو کی نگاہ میں
غل ہے وہ شیر قصد کیے ہے ترائی کا
پھر معرکہ ہے آج علی کی لڑائی کا

لائیں سلاح سامنے زینب بچشم تر
پٹکا اٹھا کے شہ نے کہا باندھیے کمر
تسلیم کی ادب سے جری نے جھکا کے سر
ہتھیار سج کے خیمے سے نکلا وہ نامور
غم چھا گیا امید چلی یاس رہ گئی
بس سر جھکا کے زوجۂ عباس رہ گئی

شہ نے کہا بس ہوا اسی بات کا ملال
لیں اذن جنگ خیر سدھاریں پُرجدال
قسمت میں ہے کہ یہ بھی نہ ہوں وقت انتقال
تنہا مسافرت میں مرے فاطمہ کا لال
قاتل ہو زخمی چھاتی پہ خنجر ہو یا کہ تیغ
کٹنے لگے جو حلق تو کوئی نہ پاس ہو

جھپٹے مثالِ شیر جدھر صف اُلٹ گئی
پہ ہاتھ تن سے اُڑ گیا وہ ڈھال کٹ گئی
جو فوج مثلِ موج بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
دیکھا جو گھاٹ تیغ کا جرات بھی گھٹ گئی
اللہ کا غضب تھا کہ تلوار ہاتھ میں
دریا کا گھاٹ لے لیا دو چار ہاتھ میں

اُٹھی علی کے شیر نے بھی آستیں اُدھر
قبضے پہ ہاتھ اُدھر گیا کانپی زمیں اِدھر
ظاہر ہوا جلالِ جہاں آفریں اِدھر
آیا جلال میں اسدِ خشمگیں اِدھر
صف پر جو صف گری تو پیادے سوار پر
گویا علی نے ہاتھ رکھا ذوالفقار پر

ناگہ صدا بلند ہوئی طبلِ جنگ کی
جو تھے بہادر اُن کے دلوں نے اُمنگ کی
نکلے نقیب اور یہ صدا بے درنگ کی
باگیں اُٹھاؤ سب کپٹ سرنگ کی
نامی جواں وہ ہیں جو لڑے ہیں دلیر سے
اب سامنا ہے شیرِ الٰہی کے شیر سے

غش ہو کے زیں پہ جھک کے جو سنبھلا وہ دیں پناہ
مارا کسی نے دیدۂ حق بیں پہ تیر آہ
سر پر لگا جو گرز تو حالت ہوئی تباہ
رہوار سے گرا پسرِ صبغۃ الٰہ
اُٹھ بیٹھے ہیں لوٹ کے یوں ارضِ پاک پر
جس طرح زخمی شیر تڑپتا ہے خاک پر

فوجوں سے اُس ترائی میں لڑتے ہوئے چلے
مجبور ہے بشر جو نہ مہلت اجل سے پائے
تلواریں سر پہ لگ گئیں پہلو پہ تیر کھائے
غازی کے ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہائے ہائے
پانی بہا تو جان چلی زور گھٹ گیا
دانتوں سے مشک چھوٹ گئی دم الٹ گیا

مشکیزہ بھر کے رخش کو آواز دی کہ چل
یاں منتظر تھی راہ کو روکے ہوئے اجل
آگے تھی گھاٹ تک کہ بڑھے برچھیوں کے پھل
تیغوں پہ تیغیں فوج پہ تھی فوج دل پہ دل
گھیرے تھے لوگ بن کی رہیں بھی بند تھیں
تیر سے تُلے ہوئے تھے کمانیں بلند تھیں

پہنچے ترائی میں جو شہ دیں بصد تعب
سقائے اہل بیت نظر آئے جاں بلب
بازو کٹے تھے خون میں ڈوبا تھا جسم سب
دم توڑتے تھے ہچکیاں لے لے کے غضب
آنکھوں سے نزع میں بھی رواں جوئے اشک تھی
پرچم علم پہ ہاتھ تھا چھاتی پہ مشک تھی

بھائی کا داغ درد جگر تین دن کی پیاس
ضعف بصر شکستہ کمر منتشر حواس
فرماتے تھے پسر کو ٹھہر کر بدرد و یاس
اکبر کدھر ہے لاشۂ عباس حق شناس
بتلاؤ اب کہ حال ہمارا تباہ ہے
رستہ پہاڑ ہو گیا کیا سخت راہ ہے

اک شور تہنیت کا ہوا فوج میں اُدھر
یاں بار غم سے ٹوٹ گئی شاہ کی کمر
تلوار ٹیکتے ہوئے دوڑے جو ننگے سر
تھاما پسر نے بازوئے شبیر نوحہ گر
بے ہاتھ تھامے پاؤں بڑھانا محال تھا
جس طرح بے قرار ہو بسمل یہ حال تھا

بھائی جواں جو مر گیا بھائی کے سامنے
پٹکا زمیں پہ سر کو تھاما امام نے
حضرت سے عرض کی یہ سرِ تشنہ کام نے
چلئے اب اہلِ بیتِ محمدؐ کو تھامنے
ماتم بپا ہو خیمہ یاس پاس پر
بچی سکینہ کو تو سب آئیں گے لاش پر

غازی نے آنکھیں کھول کے دیکھا رخِ امام
اٹھی تھی یہ زباں کہ نہ کچھ ہو سکے کلام
کروٹ جو لی کراہ کے کانپا بدن تمام
آنا تھا ہچکیوں کا کہ تھا موت کا پیام
مانند بوئے گل دم آخر گزر گیا
منزل پہ بوجھ رکھ کے مسافر گزر گیا

سینے پہ منہ کو رکھ کے پکارے شہِ زمن
حاضر ہوا برادرِ مظلوم بے وطن
اے میرے شیر اے مرے جرار و صف شکن
آزردہ ہو کہ دیر میں پہونچا یہ خستہ تن
مرتے ہیں ہم جلا دو ہمیں منہ سے بول کے
دیکھو تو حال بھائی کا آنکھوں کو کھول کے

لائے علم جو خیمے میں سلطانِ بحر و بر
رایت کے ساتھ تھے بچے برہنہ سر
دیکھا جو اس علم کا پھریرا لہو میں تر
سیدانیاں زمیں پہ گریں تھام کر جگر
پیٹتی تھی کوئی کوئی خاک اڑاتی تھی
ہائے ہائے کا شور تھا کہ زمیں تھرتھراتی تھی

یہ شور سن کے لاش سے اٹھے امامِ دیں
مشک و علم کو لیکے چلے اکبرِ حزیں
چلائی رو کے عاشقِ عباسؑ مہ جبیں
ہے ہے علم تو آتا ہے میرے چچا نہیں
چھائی ہوئی ہے کیسی اداسی نشان پر
کیا بن گئی ارے مرے عمو کی جان پر

ناگاہ در سے خیمے کے فضہ نے دی صدا
دریا سے کس طرف گئے عباسؑ باوفا
کیسا غضب ہے نہر پہ اے شاہِ کربلا
گھر سے نکل پڑی ہے سکینہ برہنہ پا
تن کانپتا ہے ضعف سے ہاتھوں پہ ہاتھ ہے
عباسؑ کا پسر بھی سکینہ کے ساتھ ہے

بولی یہ رو کے بانوئے بیکس بہ درد و غم
وہ کر گئے تھے آپ وصیت یہ مرتے دم
چلائی سر کو پیٹ کے وہ کشتۂ الم
صاحب ترے تو رہ گئے دیدار کو بھی ہم
مرتے ہوئے نہ چاند سی صورت دکھا گئے
کس بات پر کنیز سے صاحب خفا گئے

غش جس گھڑی تھی زوجۂ عباس نوجواں
سب مل کے اس کو زیر علم لائیں بی بیاں
بکھرائے سر کے بال پکاری وہ خستہ جاں
لوگو بتاؤ لاش علمدار ہے کہاں
پوچھو بلائیں لیکے شہ تشنہ کام کی
کیا وجہ ہے کہ لاش نہ لائے غلام کی

چلائے تھے حسین کہ غمخوار مر گیا
زینب ہمارا یار وفادار مر گیا
قوت تھی جس سے ہائے وہ جرار مر گیا
سقائے آل احمد مختار مر گیا
اب کون آنسوؤں میں رکھے گا خبر مری
سیدھی نہ ہو گی قبر میں بھی اب کمر مری

جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا
اک شور تھا کہ خانۂ دیں بے ستوں ہوا
سقائے اہلِ بیتِ نبی غرقِ خوں ہوا
سیدانیوں میں اور تلاطم فزوں ہوا
ڈوبا لہو میں چاند شہِ مشرقین کا
خالی کیا اجل نے بھرا گھر حسین کا

یارب کوئی جہاں میں اسیرِ محن نہ ہو
جنگل میں گھر لٹا کے کوئی بے وطن نہ ہو
ماں باپ سے جدا کوئی گل پیرہن نہ ہو
پھولا پھلا اجاڑ کسی کا چمن نہ ہو
بھائی بچھڑ چکا ہے شہِ مشرقین سے
اب نوجواں پسر کی ہے رخصت حسین سے

بیکس پھوپھی کو گھر میں تمھارا ہی انتظار
دھڑکے ہے ماں کے دل کو نہیں پاتی ہے قرار
چھوٹی بہن پکارتی ہے تم کو بار بار
دیکھ آؤ اپنے چاہنے والوں کو میں نثار
ہم کوئی دم میں آپ دم تیغ سہتے ہیں
پہنچو وہ ہم تمھارے پیچھے ہم پہنچتے ہیں

پڑھتا ہی ہاتھ جوڑ کے جب شہ کا نور عین
خیمے کو تکنے لگتے ہیں منھ پھیر کر حسینؑ
فرماتے ہیں کہ سنتے ہو سیدانیوں کے بین
عباسؑ کے الم میں بپا ہی شور و شین
بھائی جہاں سے جانب خلد بریں گئے
مرنے کو بھی چچا کے تم اتنا نہیں گئے

اولاد والے دل میں کریں اک ذرا خیال
ہوتی ہے کیسی الفت فرزند خوش جمال
بیٹا وہ نوجواں جسے اٹھارہواں ہو سال
کیا ہوگا نور چشم رسولؐ خدا کا حال
ماں باپ کے لیے تو اجل کا پیام ہے
دشمن بھی رونے لگتے ہیں یہ وہ مقام ہے

اکبر کا رنگ اڑ گیا سنتے ہی یہ کلام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
فرزند ارجمند ہیں سجاد نیک نام
اکبر تو ہے حضور کا ادنیٰ سا اک غلام
اس امر سے فزوں کوئی شرمندگی نہیں
آقا کے بعد موت ہے یہ زندگی نہیں

جینے کی اب خوشی ہے نہ دنیا کی ہے ہوس
ہے دل کو شوق آپ پہ دم تیغ پر نفس
بچھڑیں گے تم سے گر تو یہ قصہ یہی ہے بس
جیتے تو کرتے بیاہ تمہارا اسی برس
دولہا بنا کے شانِ شہانی بھی دیکھتے
طفلی تو دیکھی حسنِ جوانی بھی دیکھتے

شہ نے جو دیکھا یہ مضطر کی لو خبر
سمجھاؤ اپنی بہنوں کو کہ پیٹیں نہ اپنا سر
رانڈوں کے تم ہو سر پہ یتیموں کے تم پدر
گھر تھامتے ہیں باپ کا ذی قدر ہیں پسر
کس کو یہ داغ پیرِ فلک نے دیا نہیں
سر پر کسی کے باپ ہمیشہ جیا نہیں

خوں میں نہا کے گر نہ ہوا آج سرخرو
پھر کس کو منہ دکھاؤں گا یا شاہِ نیک خو
چمکا رہے ہیں برچھیاں میداں میں جنگجو
غصے سے جوش کھاتا ہے اب جسم کا لہو
کس سے کہوں اگر نہ کروں عرض آپ سے
بیٹے کی آبرو متعلق ہے باپ سے

سینے میں دل لرزتا ہے جینے کے نام سے
زندہ وہی ہے پہلے مرے جو امام سے
سیراب ہونے دیجئے شہادت کے جام سے
آقا یہ بوجھ اٹھ نہ سکے گا غلام سے
دیکھے گا کون لٹتے ہوئے جس جواں کی
خادم سے بیڑیاں کبھی پہنی نہ جائیں گی

دم ہے حضور کے ہی غلاموں کی ہست و بود
مولا ہیں اس جہاں میں ہی رحمتِ ودود
اے چشمۂ عطا و کرم بحرِ فیض و جود
دریا اگر نہ ہو تو حبابوں کی کیا نمود
سب خلق شاہِ دیں سے طلبگارِ عون ہے
جب نوحؑ غرقِ خوں ہوں تو کشتی کا کون ہے

فرما کے یہ چلے طرفِ خیمہ شاہِ دیں
گردن جھکائے ساتھ تھا فرزندِ مہ جبیں
پہنچا قریب در جو محمد کا نازنیں
غم کرتی تھی کہتی ہیں یہ زینبِ حزیں
لوگو بلا دو اکبرِ یوسف جمال کو
کیوں رن میں اتنی دیر لگی میرے لال کو

بولے بہا کے اشک شہنشاہِ نامور
مرنے کی تم کو ماں سے دلاؤ رضا پدر
سچ ہے بھلا تمہیں مرے دل کی ہے کیا خبر
پوچھو یہ اس سے جس کا جواں ہو کوئی پسر
اس معرکے سے جو نہیں واقف وہ آپ ہیں
بیٹا ہماری حق بطرف ہو کہ باپ ہیں

دیجے رضا کہ حرب کو مرتا ہے اب غلام
خیمے میں چلیے لے کے مجھے یا شہِ انام
چپ ہو رہیں گی سن کے پھوپھی آپ کے کلام
بن جائے گا زباں کے ہلانے میں سب کلام
ملنے کا وہ ادب جو صابر کا اہل ہے
مشکل کشا کے لال کو ہر امر سہل ہے

اکبر نے کی یہ عرض کہ حاضر ہوا غلام
حضرت کو لینے آیا ہوں اے آسماں مقام
مژدہ سنا جو یہ تو پکاری وہ تشنہ کام
آنکھوں پہ فرق پر قدم قبلۂ انام
رونا مرا سنا تھا تو گھبرا کے آئے ہو
صدقے تو ہوں کہ تم مرے بھائی کو لائے ہو

زینب پھوپھی اس گھڑی تھیں قریب در
اکبر کا روئے پاک انھیں آ گیا نظر
جلدی بلائیں لے کے پکاری وہ نوحہ گر
صدقے پھوپھی اس آنے کے اے غیرت قمر
خوشبو مہک رہی ہے رسالت مآب کی
ڈیوڑھی میں روشنی ہے مرے آفتاب کی

بیٹے سے مڑ کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
کیوں گفتگو پھوپھی کی سنی تم نے اے پسر
نازک ہے عورتوں کا دل اے غیرت قمر
ماں کی ابھی رضا نہیں اے پیٹتی ہیں سر
ان کو ہی اور کام نہیں کچھ خیال ہے
رخصت وہ دیں گی مرنے کی جن کا یہ لال ہے

غربت میں جو مریں گے شہنشاہ بحر و بر
پھر کون سر پرست ہے کس سے بچے گا گھر
اس وقت کس سے میں کہوں درد دل و جگر
مانگو دعا کہ باپ سے پہلے مرے پسر
اٹھ جاؤں میں جہان سے بابا کے سامنے
میرا گلا کٹے شہ والا کے سامنے

بڑھ کر کہا پھوپھی نے کہو جلد میری جاں
گھبرا کے دیکھنے لگی بیٹے کے منہ کو ماں
آہستہ اُن سے کہنے لگا وہ نوجواں
رن میں چلے ہیں مرنے کو شاہنشہِ زماں
میں پاؤں پر گرا ہوں جو تشریف لائے ہیں
گھر میں حسینؑ آخری رخصت کو آئے ہیں

بیت الشرف میں آئے جو شبیر خوش خصال
رانڈوں کو روتے دیکھ کے صدمہ ہوا کمال
بڑھ کر پھوپھی سے بولے یہ اکبرؑ بصد ملال
چلئے ذرا الگ تو کہوں کچھ پدر کا حال
سب گھر نثار حضرت شبیرؑ کیجیے
لٹنے کا طور ہے کوئی تدبیر کیجیے

پڑھ کر دعا وہ پھر کے پکارے امامِ دیں
لو الوداع اے حرمِ خستہ و مکیں
آ پہنچے متصل درِ خیمہ کے اہلِ کیں
لے آؤ جامۂ کہن اے زینبِ حزیں
رخصت کو آئیں جو مرے نازوں کے پالے ہیں
اکبر کو روکیو یہ تمھارے حوالے ہیں

چھاتی پہ رکھیے صبر کی سل بہرِ کردگار
لے چلیے مجھ کو پیشِ شہنشاہِ نامدار
کہیے کہ آپ کرتے ہیں کیوں عزمِ کارزار
حاضر ہے صدقے ہونے کو آقا پہ جاں نثار
کام اس سے کیا زباں کو جو باتیں کیا کریں
لیکن یہ شرط ہے کہ پھوپھی بھی شریک ہوں

دیتے نہیں رضا جو مجھے شاہِ حق شناس
کہتا ہوں صاف میں کہ فقط آپکا ہے پاس
کہیے امید کس سے رکھیں اور کس سے آس
ہم کو تو اب حصولِ سعادت سے بھی ہے یاس
حق بھی ادا ہوئے نہ شہِ خوش خصال کے
خوب آبرو حضور نے دی ہم کو پال کے

شہ نے کہا بہن مجھے اس کا نہیں خیال
ہے تم کو صابروں کی طرح صبر میں کمال
اپنے چمن کو دیکھ کے ہنستے ہیں سب نہال
خود چاہتا ہوں میں کہ یہ گل ہوں نہ پائمال
شادی کے دن ہیں آس غریب الوطن کی ہے
صدمہ مجھے یہ ہے کہ ریاضت بہن کی ہے

شملے نے منہ کو ڈھک کے پکارے شہ زمن
اماں کی تم سے بو مجھے آتی ہے اے بہن
بولی یہ ہاتھ جوڑ کے بانوئے خستہ تن
آقا ابھی تو زندہ ہے اکبر سا صف شکن
دکھ درد میں پدر کے پسر کام آتے ہیں
آپ ان کے ہوتے کس لیے میدان جاتے ہیں

اکبر پھوپی کو دیکھ کے بولے کہ ہے غضب
لو آفت آئی گھر پہ چلے شاہ تشنہ لب
دوڑے سروں کو کھولے ہوئے اہل بیت سب
بانو گری تڑپ کے قدم پر بصد تعب
بیٹے نے تھاما ہاتھ شہ کربلائی کے
زینب نے سر جھکا دیا سینہ پہ بھائی کے

اکبر تڑپ سے جو گرے قدموں سے اٹھا کے سر
بس کے گلے لگا کے شہنشاہ بحر و بر
لے نور عین لے سبب قوت جگر
کیا اپنا زور خیر جہاں سے کرو سفر
بس قطع ہوگئی جو توقع تھی آپ سے
اٹھارہ برس میں بچھڑتے ہو باپ سے

گر کر قدم پہ شہ کے پکارا وہ نوجواں
بس اب صفا چاہا ولی دیں قبلۂ زماں
صدمہ ہوا برچھی کے جگر پر کہ الاماں
کانپے جو پاؤں گرنے لگی تھرتھرا کے جاں
خوں گھٹ گیا امام زماں زرد ہو گئے
اچھا کیا کہ ہم تن درد ہو گئے

بولی وہ عندلیب چمن پر وہ بتول
طرّہ وہی ہے سب پہ بہار چڑھی جو پھول
اے نخل باغ فضل و گل گلشن رسول
داغ گل ریاض تمنا بدل قبول
شادی سدا نہیں چمن روزگار میں
ورے خزاں ہیں وہ جو ہنسا ہو بہار میں

ٹھہرا کے عرض کی خلفِ مرتضیٰ ہیں آپ
کہتے ہیں آپ بادشہِ دیں رہنما ہیں آپ
شہ نے کہا مسافرِ ملکِ بقا ہیں آپ
ہم صورتِ جنابِ رسولِ خدا ہیں آپ
اُلفت نہیں یہ پاسِ رسالت مآب ہے
ابنِ سعد لال کی خدمت ثواب ہے

حلقے سے بی یوں سے جو نکلا وہ آفتاب
ہمراہ تھے پسر کے امامِ فلک جناب
چڑھنے لگا فرس پہ تو دل کو رہی نہ تاب
گھبرا کے شہ نے ہاتھ بڑھایا سوئے رکاب
تڑپا جو دل تو ہاتھوں کو حضرت کے تھام کے
سر رکھ دیا پسر نے قدم پر امام کے

غل پڑ گیا کہ خلق سے اکبر کا کوچ ہے
لو روشنی چلی مہِ انور کا کوچ ہے
لٹتا ہے گھر شبیہِ پیمبر کا کوچ ہے
گلزارِ مرتضےٰ کے گلِ تر کا کوچ ہے
اس کربلا میں کونسی کرب و بلا نہیں
کٹتا ہے وہ نہال جو پھولا پھلا نہیں

تھا اس گروہ میں یہ تلاطم یہ انتشار
ناگہ اٹھا جو شام کی جانب سے اک غبار
بولا یہ فوج سے عمر سعد نابکار
بھیجی کمک یزید نے فوج شکر کردگار
یہ اکبر جری کی اجل کا بہانہ ہے
آیا وہ پہلوان جو وحید زمانہ ہے

ناگہ چلی میان دو صف تیغ شعلہ ریز
دم بھر میں گرم ہو گیا ہنگامۂ ستیز
آئی چمک چمک کے سروں پر جو تیغ تیز
ان میں سے ایک کو نہ ملی مہلت گریز
سالم تھے نخل قد پہ نشان ثمر نہ تھا
دونوں صفوں میں ایک کی گردن پہ سر نہ تھا

بعد ستائش اب وہ جری شیر نر بڑھا
ہٹتی ہوئی گھٹا کی طرف جوں قمر بڑھا
لاکھوں تھے پر نہ ایک ادھر سے ادھر بڑھا
جرار تیغ تولے ہوئے بے سپر بڑھا
یوں خندہ رو گیا وہ جری رزمگاہ میں
جاتا ہے جس طرح کوئی اپنی بیاہ میں

ناری کے آگ لگ گئی سن کر علیؑ کا نام
بولا بگڑ کے وہ کہ رہے منہ پہ یہ کلام
پھر کیا اگر علیؑ کا خلف ہے یہ تشنہ کام
کرتی ہے شق پہاڑ کا سینہ مری حسام
پیدا کیا ہے نام ہزاروں کو مار کے
اتروں گا اب فرس سے سر اس کا اتار کے

بولا شقی کہ فوج کا لڑکے سے ہے یہ حال
لڑتے ہیں سو پہ جو صف لشکر ہے پائمال
تب شمر نے کہا کہ یہ ہیں شیر حق کے لال
طفل و جوان و پیر ہیں اس گھر کے بیمثال
مر جائیں کون فکر اسے وغا نہیں
اس پر کہ تین روز سے پانی ملا نہیں

بعد از سلام بڑھ کے عرض کیا یہ
آپ آئے کیا کہ آ گئی مرتے ہوؤں میں جاں
نیزہ زمیں پہ گاڑ کے بولا وہ پہلواں
سرگرم کارزار ہے یہ کون نوجواں
عباسؑ ہے کہ فاطمہؑ کا نور عین ہے
کی عرض اس شقی نے کہ ابن الحسینؑ ہے

بولا پسر کو فرق پہ رکھ کر وہ پُر غرور
پھینکا ہے تن پہ دھوپ نے پیاس کا وفور
میداں کہاں ہے مار کا اے کبریا کے نور
بھڑکی ہے آگ سینے میں اک صورتِ تنور
ہر چند ہاتھ دھوئے ہوں اپنی حیات سے
مہلت ملے تو پی لوں میں پانی فرات سے

گھاتیں ہزار کرتا تھا وہ لاکھ مکر و زور
لیکن کہاں چراغ کہاں مہرِ دیں کا نور
اودھر پسر کی ہے جرأت اُٹھائے سرِ غرور
بولے تو موت کا بھی سماں تجھ سے نہیں ہے دور
سچ کہتے ہیں ہم اس میں کیا زور چل سکے
پنجے میں شیر کے ہو تو کیونکر نکل سکے

یہ کہہ کے پھر کیا کمرِ آہنی کو چست
آلاتِ حرب تن پہ کیے سر بسر درست
سارے قویٰ تھے گو کہ عقل و بخت سست
سر میں وہی غرور وہی غرۂ نحست
کوڑا کیا فرس کو جو باگ اس نے پھیر کے
ہر صف میں غل ہوا کہ چلا منہ میں شیر کے

شبیر نے جو دور سے دیکھا یہ ماجرا
دو چار گام بڑھ کے بیٹے کو دی صدا
اے مرحبا رسولؐ کے ہم شکل مرحبا
سیراب سلسبیل سے تم کو کرے خدا
کیونکر نہ صبر و شکر میں ایسا کمال ہو
کیونکر نہ ہو کہ ساقیِ کوثر کے لال ہو

لے آیا آب سامنے خادم بصد شتاب
پانی پہ گر پڑا وہ کہ تھی ضبط کی نہ تاب
ظالم نے سامنے جو پیا ڈگڈگا کے آب
پیاسے تھے تین دن کے ہوا دل کو اضطراب
تڑپا جو قلب چشم کے ساغر چھلک پڑے
اٹھا دھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

تلوار روک کر یہ پکارا وہ لالہ فام
تو نے سنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام
تلوار روکنے کا نہیں گرچہ یہ مقام
پر خیر پی لے نہر سے پانی کا بھر کے جام
فیاض ہیں کریم ہیں ابن کریم ہیں
دشمن پہ رحم کرتے ہیں ہم وہ رحیم ہیں

دو ہو کے گر پڑا جو برابر وہ پہلوان
جبریل پر اُٹھا کے پکارے کہ الاماں
نکلی زمیں میں ڈوب کے شمشیر خوں چکاں
تکبیر کہہ کے جوش میں جھوما وہ نوجواں
افلاک سے گزر گئی ساونت کی صدا
آئی ندا عرش سے احسنت کی صدا

سُن کر یہ سن پڑا وہ جفاکار و بد گہر
رد کرکے سارے وار بڑھا شاہ کا پسر
لہرا رہی تھی فرق پہ وہ ماہیِ ظفر
مارا جو ہاتھ برق سی کوندی قریب سر
چھوٹا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

تسلیم کرکے شہ کو بصد عجز و انکسار
ہمشکلِ اسدِ کردگار پہ آیا وہ شہسوار
نعرہ کیا کہ او سگِ بزدل ستم شعار
ہاں اب تو تازہ دم ہے اُٹھا تیغِ آبدار
ہٹتا ہے کیوں عرب کی حمیت کو تو نہ کھو
پانی تو پی چکا ہے بس اب آبرو نہ کھو

نکلا اُدھر سے شیث ربعی جفا شعار
ہمراہ تھے شقی کے کماں دار دس ہزار
تیروں کا مینہ برس گیا پیاسے پہ ایک بار
راکب کا جسم گھوڑے کے پہلو ہوئے فگار
اُڑ اُڑ کے طے جو کرتا تھا راہِ ثواب کو
غل تھا کہ پر خدا نے دیے ہیں عقاب کو

گردوں پہ تھی صدا کہ چکا چاک تیغ و تیر
ڈوبا تھا خوں میں سب شہِ دیں کا منیر
فرماتے تھے جو رُکتا تھا اسپِ فلک سریر
اب ہم بھی ہیں تمام لڑائی بھی ہو اخیر
زخموں سے تو بھی چور ہے اور ہم بھی چور ہیں
افسوس بس یہی ہے کہ بابا سے دور ہیں

آئے گئے جو بیچ سے لشکر کے بار بار
مابین راہ تیغوں سے تن ہو گیا فگار
اب اُس طرف ہیں آپ اِدھر فوجِ نابکار
غل ہے اُدھر اب آنے نہ پائے یہ نامدار
نیزے لڑاؤ سینوں سے گھوڑوں کو پھیر کے
کشتہ کرو وہیں علی اکبر کو گھیر کے

بڑھ کر پکارا شمر ستمگار و بد خصال
اے ابن فاطمہؑ خلفِ شیرِ ذوالجلال
جلد آ کے دیکھیے پسرِ نوجواں کا حال
لاشہ سموں سے گھوڑوں کے ہوئے گا پائمال
جو حملہ ور تھا تیغ دو دم تول تول کے
دم توڑتا ہے وہ ابھی منہ کھول کھول کے

طے کر کے معرکہ یہ پھرے تھے کہ ناگہاں
چھاتی پہ سامنے سے لگی ظلم کی سناں
دل توڑ کر انی جو ہوئی پشت سے عیاں
نیزہ جگر سے کھینچ کے تڑپا وہ نوجواں
ٹکڑے کبد کے خوں کے ڈیڑوں میں بہہ گئے
گھوڑے پہ یا علیؑ ولی کہہ کے رہ گئے

نکلے کماں کشوں کے جو حلقے سے وہ جناب
تھی پھر تو برچھیوں کی کرن گردِ آفتاب
ڈوبے ہوئے ہیں کٹنے لگا گلشنِ شباب
روتے تھے خوں کے آنسوؤں سے دیدۂ رکاب
مجروح بیچ بیچ میں تھا اس ہجوم کے
نیزے پہ نیزے کھاتے تھے جھوم جھوم کے

چلاتے تھے کہ اے علی اکبر کدھر ہے تو
مرتا ہے باپ اے مرے دلبر کدھر ہے تو
کچھ سوجھتا نہیں مجھے یاور کدھر ہے تو
دن ہے کہ رات اے مہ انور کدھر ہے تو
آباد گھر حسینؑ کا تاراج ہو گیا
خورشید دوپہر کو غروب آج ہو گیا

دوڑے گئے ادھر کبھی جھپٹے ادھر کبھی
بن میں کبھی تھے رن میں کبھی نہر پر کبھی
تھامی کمر کبھی تو سنبھالا جگر کبھی
کی ڈر کے خیمہ گاہ کی جانب نظر کبھی
تشویش تھی کہ مادر اکبرؑ نکل آئے
خیمہ سے بنت فاطمہؑ باہر نکل آئے

تا ہو گئی یہ جاں گزا جو صدا گوش شاہ میں
دنیا سیاہ ہو گئی شہ کی نگاہ میں
دوڑے گرے اٹھے کئی جا اثنائے راہ میں
آئے جگر کو تھامے ہوئے قتل گاہ میں
چاروں طرف جدال میں جاتے تھے اس طرح
بچے کو کھو کے شیر تڑپتا ہے جس طرح

آنسو بہے یہ سنتے ہی اُس رشکِ ماہ کے
چاہا کہ مل لے آنکھوں کو قدموں پہ شاہ کے
کروٹ امامِ دیں کی طرف لی کراہ کے
کھولا جو منہ نکل گیا دم ساتھ آہ کے
اُٹھی زباں تو ہونٹھ بھی تھرا کے رہ گئے
گیسو زمیں پہ گر کے بل کھا کے رہ گئے

دوڑے حسینؑ سُن کے یہ آوازِ دردناک
دامن تھا سب قمیص تنِ پوستی کا چاک
فرزند جو تنہا نظر آیا بروئے خاک
بس گر پڑے پسر کی برابر امامِ پاک
تڑپا جو دل تو لختِ جگر سے لپٹ گئے
روحی فداک کہہ کے پسر سے لپٹ گئے

ناگہ صدا یہ آئی کہ بابا اِدھر ہوں میں
اے نخلِ باغِ فاطمہؑ زیرِ سپر ہوں میں
خالق سے لو لگی ہے چراغِ سحر ہوں میں
جلد آیئے کہ آپ کا پیارا پسر ہوں میں
ڈر ہے جگر کہیں نہ اجل کا بہانہ ہو
دیدار دیکھ لے تو مسافر روانہ ہو

سب بی بیوں میں ایک ضعیفہ کا تھا یہ حال
خم تھا کمر میں دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
پیدا تھی زخمیوں کی تڑپ بسملوں کی چال
چلاتی تھی کدھر ہو ارے میرے نونہال
دیتی ہوں واسطہ میں رسالت پناہ کا
رستہ کوئی بتا دے مجھے قتل گاہ کا

تڑپے یہ کہہ کے شاہ جو بچی کی لاش پر
اس سانحے کی ہو گئی رانڈوں کو بھی خبر
اک غل اٹھا حرم سے کہ ہے ہے مرے پسر
بچوں کو لے کے بیبیاں دوڑیں برہنہ سر
آفت میں ایک کو خبر دست و پا نہ تھی
سر پر کسی کے تھی تو کسی کے ردا نہ تھی

جھک کر پکارے شاہ کہ بیٹا کدھر گئے
غش آ گیا ہے درد جگر سے کہ مر گئے
باتیں بھی کچھ نہ کیں کہ جہاں سے گزر گئے
چلتے تھے ہم بھی اور نہ دم بھر ٹھہر گئے
یوں قافلے سے چھوٹ کے شبیر رہ گیا
سب نوجواں چلے گئے یہ پیر رہ گیا

اس حشر میں جو شہ نے بہن کی سنی صدا
جلدی اُٹھا کے لاش چلے شاہِ کربلا
دیکھا کہ دوڑی آتی ہے زینب برہنہ پا
رو کر پکارے وا عجبا وا مصیبتا
سر ڈھانپ لو ردا سے قیامت بپا نہ ہو
گھر میں چلو بہن علی اکبر خفا نہ ہو

گھبرا کے ایک شخص نے راوی سے یوں کہا
بی بی یہ کون سی ہے جو نکلی ہے بے ردا
مریم ہے یا خدیجہ ہے یا بنت مصطفےٰ
بولا وہ کانپ کر کہ قیامت ہوئی بپا
خواہر حسینؑ کی ہے نواسی نبی کی ہے
منہ پھیر لے ارے یہ بیٹی علیؑ کی ہے

ہے ہے کدھر ہے گیسوؤں والا پسر مرا
جنگل میں بے چراغ کیا کس نے گھر مرا
کس خاک پر تڑپتا ہے لختِ جگر مرا
کس نخل کے تلے ہے وہ نورِ نظر مرا
بیٹوں کی بین کر کے تنِ پاش پاش پر
بیٹھا وہ ہاتھ تھام کے اکبر کی لاش پر

مرثیہ (۱۰)

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
اُمت کی مغفرت کا سر انجام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

تاثیر کی تھی اُنھیں صحبتِ امام
تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدر سے دل کے جام
ذی قدر، ذی شعور، دلاور، خجستہ کام
لشکر جو ان پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں سینوں پہ کیا جھوم جھوم کے

پیری میں پھر ہی خبر مرگ نوجواں
ٹوٹی پہ تھرتھرا کے گرے شاہ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بی بیاں
تھا خانۂ علی میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر الٹ پلٹ تھا امام حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہی لنگر جہاز کا

صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولت پدر
نکلے نبرد کو اسداللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جب وہ دو شیر نر
رخصت ہوئے حسینؑ سے عباس نامور
دریا پہ ہو کے پڑا کشتہ و خوں ہوا
ڈھلتے ہی دوپہر کے علم سرنگوں ہوا

گل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ
جعفر کے لاڈلوں نے دیے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ فراغ
پامال ہو گیا حسن مجتبےٰ کا باغ
لاشے اٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
جس پر گرے پہ کوہ مصیبت وہ کیا کرے

عمرو کو قتل کرکے بہت ہو گئے ہیں شیر
ان ظالموں کے زعم میں اب ہم نہیں دلیر
معلوم ہوگا لاشوں کے جب رن میں ہوں گے ڈھیر
دیکھیں تو کون اب ہے زبردست کون زیر
مجمع جو ہے ادھر ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
اچھا یونہی سہی ہم انھیں کیا سمجھتے ہیں

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوج شام
کانپے یہ غیظ سے کہ اگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ امام
سنتے ہیں آپ لشکر اعدا کے یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلہ صبر تنگ ہے

ماتم ادھر تھا جشن میں تھے اہل شر ادھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر ادھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر ادھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادھر ادھر
غل تھا کہ بس حسینؑ بہت رو لئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

کیا پہلے سر کٹائیے گا باپ شہ زماں
کس اشتیاق سے شہ دیں نے کہا کہ ہاں
آگے جو کچھ رضائے خدا اے پدر کی جان
جیتے ہیں پیر سالے مرتے ہیں نوجواں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہ سوتے ہیں

یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکل مصطفےٰ
رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھائے ہمیں خدا
بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضر کی حیات ملی گر تو موت ہے

گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ
فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں رو سیاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشک ماہ
لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے الٰہ
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو

شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر
پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہو باپ کا عصائے ضعیفی جواں پسر
جب تم نہ ہو گے پاس تو مر جائے گا پدر
ایسے ہنسے نہ تھے کہ ہمیں تم رلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب
بیٹا تو گھر میں بیٹھے لڑے باپ تشنہ لب
مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب
کیسا لہو سفید ہی دنیا کا ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گزر گیا
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر
پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر بچشم تر
کی عرض رحم کیجیے مر جائے گا پسر
آگے مرے جو ہوگی شہادت امام کی
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی

بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ
رضی پھوپھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ
یا فاطمہ تمھیں علی اکبر کے کام آؤ
چلنے لگیں نہ تیرِ ستم مشرقین پر
نرغہ ہے ظالموں کا ہمارے حسینؑ پر

دیتے نہیں رضا جو امامِ فلک اساس
خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
اب غیر پاس کوئی نہیں اُن کے آس پاس
ناطاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس
کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری ہے دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں

صغرا کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر
جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر
لٹتا ہے کوئی آن میں خیر النساء کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

روتے ہوئے گئے علی اکبرؑ پھوپھی کے پاس
دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
زانو پہ سر بہن کے ہوئی کبرا ہے بے حواس
اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلام یاس
اب تاب بے طاقت جسد روح و دل گئی
کیوں صاحبو رضا علی اکبرؑ کو مل گئی

مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوش خصال
رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا ہے مری مجال
صدقہ انھیں کا ہے کہ بڑا تم سا نونہال
رخصت کا صدقے جاؤں پھوپھی سے کرو سوال
ہم سب کنیز ہیں بنت امیر عرب کی ہیں
اصغر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

دیکھی گئی نہ ماں سے پریشانی پسر
وارث کی بے کسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر
دولت پہ فاطمہ کی تصدق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیے تمھیں کب روکتی ہوں میں

مرضی نہ ہو تو رات کو بھی جائے نہ یہ غلام
بندی ہیں ہم اطاعتِ مالک سے ہم کو کام
تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام
مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
روتی ہیں آپ کس لئے اچھا نہ جائیں گے
پر یاد رکھئے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

باہر سدھارے یا ابھی ہیں اس سے کچھ کلام
بھابھی نے کیوں پکارا تھا ابھی لے کے میرا نام
سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام
آنکھیں تو آپ کھولئے حاضر ہے یہ غلام
خادم جدا نہ تھا شہِ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب
اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
اس گل نے ہائے میری محنت بھلائی سب
نام خدا جوان ہوئے کیا ہم سے کام اب
ہیں رن کے شوق میں رخصت کے دھیان میں
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گری تھی جب
میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
لو مجھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب
اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب
صاحب خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا اکبر نے کیا کہا

الفت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر
اٹھا یہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
کبریٰ کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر
کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر
میں روکنے نہ پائی کہ وہ ارمان سا چل گیا
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا

پیکر پہ بیبیوں کے واری خفا نہ ہو
صدقے ہوئی تم پہ جان ہماری خفا نہ ہو
باتیں تھیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو
روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو
آئے بلا حسین پہ جو اس کو رد کرو
اچھا سدھارو دکھ میں پدر کی مدد کرو

آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال
دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
عازم جدال ہے اور آپ کا یہ حال
قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر
پھر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

جس دم سنے یہ وہ دکھیا بانو نے سب کلام
آئی قریب حضرت زینب وہ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہر امام
میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہے اب جگر
ایسا نہ ہو کہ بانوئے بیکس کو ہو خبر
گر سن لیا تو دل میں کہیں گی وہ نوحہ گر
پیارا ہوا نہ بنت علی کو مرا پسر
سمجھی نہیں کیا جو دی اُسے رخصت جدال کی
زینب نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

تسلیم کر کے خیمے سے وہ سیم بر چلا
پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا
چلاتی تھی پھوپھی مرا لخت جگر چلا
لٹتے ہیں اہل بیت وہاں اس امام کی
تصویر پھرتی جاتی ہے خیر الانام کی

آواز سن کے کانپ گئی بنت مرتضا
بانو کے منہ کو دیکھ کے اکبر نے یہ کہا
واری سدھارو خیمہ میں کچھ مرضی خدا
ترک ادب ہے تم کو اگر اب دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنت نبی تمہاری سفارش کو آئی ہیں

یہ سن کے کانپنے لگی زینب جگر فگار
آئی صدائے فاطمہ بیٹی یہ ماں نثار
اللہ یہ محبت فرزند اور یہ پیار
تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گلعذار
رخصت نہ دے گی تو اگر اس نور عین کو
کون اب بچائیگا مرے بیکس حسین کو

ناگاہ فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام
یہ وقت کارزار ہے ای ساکنانِ شام
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہِ خاص و عام
مارا گیا یہ شیر تو مرجائیں گے امام
لوٹو جنابِ فاطمہ زہرا کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسین کے گھر کے چراغ کو

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار
گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانیِ براق فلک سیر راہوار
صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار
یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور
خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضرت کھڑے تھے خیمہ کی ڈیوڑھی پہ کچھ جو دور
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکمِ شہِ نامدار ہو
رو کر کہا حسین نے اچھا سوار ہو

یہ سُن کے فوج کیں ہوئی آمادۂ نبرد
دردِ دلِ حسینؑ کا تھا ایک کو نہ درد
غل سُن کے ہو گیا پسرِ والا کا رنگ زرد
کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد
ماں گر پڑی بہن پھوپھی بلبلا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبرؑ پہ چھا گئی

چھد جائے گی سناں سے جو اس شیر کا جگر
تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
ڈیوڑھی سے ماں پکاری یہ ہی دردِ سر
نکلی خیمہ گاہ سے زینبؑ برہنہ سر
حضرت تو بیٹے ہوئے لاشے پہ آئیں گے
ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے

یاں غازیو نہ اس کی جوانی کا غم کرو
نیزے پہ نیزے مارو ستم پر ستم کرو
برچھی اٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو
ہمشکلِ مرادِ سبطِ نبی کو قلم کرو
پیاسا جب رہا تو کدھر جائیں گے حسینؑ
گھوڑے سے یہ گرے گا تو مر جائیں گے حسینؑ

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار
قربانِ جرأتِ پسرِ شاہِ نامدار
زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار
ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغِ آبدار
پہونچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

اس حال میں بھی تیغ سے کیں تن چھیاں قلم
لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بدم
نکلے ہوئے رکابوں سے تھرّائے تھے قدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ کمال کے ساتھ
دوپارہ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

پیاسوں کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر
پھر عقب سے پڑنے لگے روبرو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر
سب سرخ تھے شبیہِ نبی کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسین پر

سن کر یہ استغاثۂ فرزند خوش خصال
سیّد نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
کھولے جناب فاطمہ کی بیٹیوں نے بال
بانو پکاری خیر ہو اے علی کے لال
ہے ہے پسر سے کوئی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اجڑ گئی

حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب
سن کر یہ غل رہی نہ دل ناتواں کو تاب
ناگاہ آئی رن سے صدائے فلک جناب
بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آیئے شتاب
لاشے پہ ظلم و جور بد افعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہل کیں اسے پامال کرتے ہیں

گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز پُر ستم
یوں جھک گئے کہ ٹہنے ہیں نخل جیسے خم
رکھدی گلے پہ شبث نے شمشیر تیز دم
تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
غل تھا کرو نہ رحم تن پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبر مہرو کی لاش پر

آؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
اکبر برائے خالق اکبر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم تو آپ کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے
اے نور عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے
زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے
داغ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہ نامدار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا الٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار
اٹھتے تھے اور زمیں پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے کہ شبیہ پیمبر ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں

یہ سن کے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار
چمکی جو برق تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار
چلائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نور عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسین کی

لاش پسر کو ڈھونڈتے تھے شاہ بحر و بر
پر بیٹے کی جا ہے کہ ہٹتے تھے اہل شر
کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر
کس کو حضور ڈھونڈتے ہیں مر گیا پسر
خود ڈھونڈ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

جنگل میں بے حواس بچھے نہر پر گئے
وان بھی جو وہ گہر نہ ملا سوئے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
بھالے لیے ہوئے برابر جدھر گئے
ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسر ماہرو ملا

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے پدر پسر جواں یوں جہاں سے جائے
اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

دیکھی عجیب حالت فرزند نوجواں
پیکاں لگے ہیں ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں
تن پہ جراحت تبر و خنجر و سناں
گردن بھی کج پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں
ٹاپوں سے مرکبوں کی جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوئے دشت کی نظر
یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے ادھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشم تر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر
جنگل میں لاشہ پسر نوجواں ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جاں ملا

فرمایا شہ نے اے علی اکبر میں کیا کروں
پانی نہیں ہے تجھ کو میسر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں
کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
بیٹا تمھاری ساقیٔ کوثر مدد کریں

غش میں سنا جو ہیں علی اکبر نے ماں کا نام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا یہ مہمان ہے
امداد یا حسین کہ پانی میں جان ہے

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گلعذار
کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بیقرار
بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار
بیٹھی کھڑی ہے در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبر تمھاری ماں مرے گی فراق میں

چلاتی تھی اری میرا پیارا ہی کس طرف
ای آسماں وہ عرش کا تارا ہی کس طرف
ای برج شام چاند ہمارا ہی کس طرف
ای ارض کربلا وہ سدھارا ہی کس طرف
ہی ہی سناں پہ جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہو مرے کڑیل جوان کی

لکھتا ہی ایک راوی غمگین پر ملال
یعنی ادھر ہوا علیؑ اکبر کا انتقال
نکلی حرم سی ایک زن فاطمہ جمال
گویا جناب سیدہ کھولی ہوئی تھیں بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس حجاب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ ای پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
انگڑائی لے کے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
آیا وہ گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

یہ بین کرتی جاتی تھیں وہ سوختہ جگر
بیدائیوں کا غل تھا پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوحہ گر
آئے ادھر سے لاش لیے شاہ بحر و بر
دیکھا لہو رواں جو تن پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبر کی لاش سے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جواں
خوش رو جوان غریب جواں مہ جبیں جواں
صفدر جواں شکیل جواں نازنیں جواں
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جواں
آغاز تھیں میں ابھی ایسے سن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
کیونکر چھپی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارہ برس تھا کہ موت آ گئی تجھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

مرثیہ ۱۱

صحرا پہ ہر طرف شہِ دیں نے نگاہ کی
سب تھم گئی سپاہ شہِ کم سپاہ کی
فرمایا آج چھٹ گئے ایذا سے راہ کی
ہاں اب کرو پسند جگہ خیمہ گاہ کی
آگے کہیں نہ جائیں گے اس ارضِ پاک سے
الفت ہماری خاک کو ہو یاں کی خاک سے

طے کر چلے حسینؑ جو راہِ ثواب کو
مقتل نظر پڑا شہِ گردوں رکاب کو
الفت جو واں کی خاک سے تھی اُس جناب کو
اک عید ہو گئی خلفِ بو تراب کو
دل مثلِ غنچہ واں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاضِ خلد میں جانے کا مل گیا

فرمایا شہ نے خیر جو اللہ کی رضا
موقع ہو جس جگہ وہیں خیمہ کرو بپا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا
رہتے ہیں مومنوں میں بہت بندۂ خدا
دو چار دن میں عمر کی مدت تمام ہے
میداں سے کچھ غرض ہے نہ دریا سے کام ہے

کی سرورِ بوستانِ حسن نے یہ گفتگو
آتی ہے اس زمیں کے گلوں سے وطن کی بو
اکبر یہ بولے تھی ہمیں صحرا کی آرزو
عباس سے یہ کہنے لگے شاہِ نیک خو
ہاں کون سی جگہ تمہیں بھائی پسند ہے
اس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

عالم میں قدر و منزلت اس کی سوا ہوئی
گرد اس کی بہرِ چشمِ ملک توتیا ہوئی
ہر درد کی خدا کے کرم سے دوا ہوئی
یہ خاکِ پاک آج سے خاکِ شفا ہوئی
تیغِ عذابِ حق سے لحد میں پناہ ہو
طوفاں میں پاس ہو تو نہ کشتی تباہ ہو

غش کھا کے اب میں گرتی ہوں مجھ میں نہیں حواس
عباس کو بلاؤ کہ آئیں بہن کے پاس
صغرا بلک رہی ہی سکینہ کو ہی ہراس
جیتے یہاں بچے تو ہوئی زندگی سے یاس
نقشہ وہ پھر گیا مری چشم پر آب میں
ایسا ہی دشت تھا جسے دیکھا تھا خواب میں

اس سرزمیں کے گل نظر آتے ہیں مجھ کو خار
نشتر سے کم نہیں رگ جاں کو یہ سبزہ زار
یہ باد تند تیر سی ہوتی ہی دل کے پار
اس بن کی خاک ہو مری خاطر پہ ہی غبار
کیا رنگ لائے دیکھئے قسمت دکھاتی ہی
یاں کی زمیں سے خون کی بو مجھ کو آتی ہی

زینب نے جب یہ درد سے پُر سنا کلام
محمل سے یوں پکاری کلیجے کو تھام تھام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام
بھیا ادھر تو آؤ یہ ہی کونسا مقام
بستی بھی ہی کوئی کہ یہی ایک نہر ہی
اس دشت پر خطر میں اترنا تو قہر ہی

گھوڑا بڑھا بڑھا کے لعینوں نے یہ کہا
بتلاؤ کس نے حکم اُترنے کا یاں دیا
ہٹ جاؤ ابنِ سعد کے خیمے کی ہے یہ جا
ڈھونڈو کنوئیں کہیں تمھیں دریا سے کام کیا
گرمی میں بند ہووے گا پانی امام پر
ہوگا نہ کل ہوا کا گذر اس مقام پر

اُترے فرس سے حضرت عباسؑ نیک نام
بٹھلائے اونٹ خیمے کے سب کھینچ کر تمام
فرماتے چاہتے تھے کہ برپا کریں خیام
تلوار کھینچے گھاٹ پہ آ پہنچی فوجِ شام
زینبؑ کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
اترو یہیں کہ خوف کی جا گہ نہیں بہن
یہ نہر علقمہ ہے یہی کربلا کا بن
آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کر وطن
رہتے ہیں اس جگہ کے بشر کیا قبر کا
خیمہ یہاں ہوا تھا جنابِ امیر کا

پانی سے کہیں بتول کا پیارا نہ جائیگا
ہم وہ نہیں کہ جان کو وارا نہ جائیگا
لاشہ بھی اُٹھ کے پاس سے ہمارا نہ جائیگا
مر کر بھی ہاتھ سے یہ کنارا نہ جائیگا
رکھتے ہیں اس زمیں پہ سر کو بات پہ
قبضہ ہی تا بہ حشر ہمارا فرات پہ

پیچھیں ہٹا تو وہ نہیں بچوں کے پاس ہم
بپا کریں گے اب تو نہیں خیمۂ حرم
گر واں بہت ہی فوج تو ہم بھی نہیں ہیں کم
آل نبی بڑھ کے ہٹاتے نہیں قدم
ہم اور خوف جاں سے لڑائی کو چھوڑ دیں
دیکھا نہیں کہ شیر ترائی کو چھوڑ دیں

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسؑ خوش خصال
غازی کو برق کی طرح آگیا جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال
اب پاس سے ہم کو کوئی ہٹا دے یہ کیا مجال
حملہ کریں چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسماں سمیت الٹ دیں زمین کو

عباسؑ کو یہ بڑھ کے پکارے شہِ اُمم
کھینچو نہ تیغ روحِ علیؑ کی تمھیں قسم
اچھا کنارِ نہر رہیں بانیِ ستم
حملہ کریں گے اور کہیں یاں سے جا کے ہم
پہلے کرو وہ کام کہ جو فرضِ عین ہو
بے چین ہوں تو ہم ہوں امت کو چین ہو

ہٹ ہٹ کے کھینچنے لگے تیغوں کو اہلِ شر
عباسؑ نے بھی رکھ دیا قبضہ پہ ہاتھ ادھر
زینبؑ پکاری بیٹھ کے محمل سے اپنا سر
بھائی خدا کے واسطے بھائی کی لو خبر
للہ شیرِ بیشۂ حیدر کو روکے
تلواریں کھنچ گئی ہیں برادر کو روکے

اعدا پکارے تب کہ نہ مانیں گے ہم یہ بات
اُتری ہے آکے فوج ہماری لبِ فرات
بولا یہ سُن کے بازوئے سلطانِ کائنات
ہٹ جاؤ میرا ہاتھ ہے دستِ خدا کا ہات
کیا تم کو ضربِ تیغِ علیؑ کی خبر نہیں
آگے بڑھا قدم تو کسی تن پہ سر نہیں

سمعاً و طاعتاً نہیں طاقت کروں جواب
ذرّے کو تاب کیا ہے بھلا پیش آفتاب
بخشی ہے عزت آپ نے اے آسماں جناب
ہٹتا نہ اس زمیں سے کبھی ابن بوتراب
ارشاد ہو جو کچھ مرے حق میں قبول ہے
حکم حضور حکم خدا و رسولؐ ہے

کیوں کانپتے ہو غیظ سے ابرو پہ کیوں ہے بل
مالک ہو تم تمھارا ہی دریا پہ ہے عمل
ہمت میں فرق کچھ نہ شجاعت میں ہے خلل
غصّے کو تھام لو یہ نہیں جنگ کا محل
مانو مرا کہا میں تمھارا امام ہوں
غازی نے سر جھکا کے کہا میں غلام ہوں

بیکس ہیں ہم کو تیغ پکڑنا نہ چاہیے
غربت میں قافلے سے بچھڑنا نہ چاہیے
گر جان پر بنے تو بگڑنا نہ چاہیے
امّت سے نانا جان کی لڑنا نہ چاہیے
شکل حباب خلق میں آخر فنا تو ہے
دریا اگر قریب نہ ہوگا خدا تو ہے

وقت ایسا آئے گا یا سیدِ امم
گرمی میں پیاس لگی ہے بچوں کو دم بدم
پانی بھی چھاگوں میں بہت رہ گیا ہے کم
فرمایا شہ نے چاہیے اللہ کا کرم
پانی کے بند کرنے پہ وہ ہیں تلے ہوئے
جنت کے در ہماری طرف ہیں کھلے ہوئے

جس وقت یہ سنے شہِ ذی جاہ کے کلام
پیاسا ہوئی سمجھ کے غنیمت سپاہِ شام
بھائی کو ساتھ لے کے پھرے سید الانام
سر کو جھکا کے رہ گئے عباسِ نیک نام
کہتے تھے راہ میں کہ ہمارا بس چل گیا
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

حضرت کے حکم سے تو لیا میں نے ہاتھ تھام
ہٹ جائیں پہلے یہ تو ہٹے آپ کا غلام
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے کہا اے سپاہِ شام
ہٹ جاؤ ورنہ سب ابھی بچ جاؤ گے تمام
لاکھوں ہو گر تو ہوا سے رکا نہ جائیگا
بگڑ گیا پھر یہ شیر تو روکا نہ جائے گا

اُترا قریب خیمہ فوج سے وہ خیرہ سر
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھ کر
خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہیں زہرا کے لال کا

اس کثرت سپاہ پہ تھا گہوں پہ دھوم
آپہونچا شام سے پسر سعد نحس و شوم
جس کی جلو میں لاکھ سواروں کا ہی ہجوم
اکثر ہیں یکہ تاز جوانانِ شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہووے گا
اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہووے گا

خیمے میں اُترے یاں تو شہ عرش بارگاہ
آ کے اُس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسوں علم کھلے تھے جدھر کیجیے نگاہ
یاں تک کہ بند ہو گئی چاروں طرف سے راہ
فوجوں سے تا بہ صبح زمیں رن کی بھر گئی
اک رات میں چڑھی ہوئی ندی اُتر گئی

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہ امم
سنتے تھے واں سپاہ حسینی کی دھوم ہم
اس نے کہا حسین کے یاور بہت ہیں کم
فاقوں کے مارے دم ہیں کسی کے نہیں ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ نہ ایسے نشان ہیں
بیٹے تو خورد سال ہیں اک ہاشمی جوان ہیں

وہ دھوپ میں ہیں خیمۂ زنگاری حسین
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
پیاری علی کی بیٹیاں روتی ہیں کر کے بین
آفت میں مبتلا ہے محمد کا نور عین
بچوں کی ماری پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ ہے نہ دریا قریب ہے

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
آئے تھے یاں اترنے کی خاطر امام دہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا مہر
ہم نے اٹھا دیا انہیں لیکن بہ جبر و قہر
عباس مستعد تھے سبھوں سے لڑائی کو
شبیر پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

بولا وہ تب کہ ہوں گے جواں یاس کے ہزار
خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہیں شمار
ہیں تین چار کوس سے گردے ہیں سوار
ایک ایک جواں ہے رستم میدان کارزار
ہے کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی یہ صفیں کہ سمندر کی موج ہے

سنتا ہوں میں ہیں دو پسر شاہ نامدار
بیمار ان میں ایک ہے اور ایک شیرخوار
زینب کے دو ہیں تین حسنؑ کے ہیں گلعذار
واں ہیں عقیل و مسلم و حیدر کے یادگار
زہرا کے جان و دل ہیں محمدؐ کے پیارے ہیں
یہ سترہ تو چاند ہیں باقی ستارے ہیں

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر
بچے نوجواں ہیں طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر
ہیں ان میں سات آٹھ تو لڑکے کی صغیر
بس جائیں گے وہ ٹاپوں سے ہنگام دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طاقت دکھائیں گے
ان سے تو تیغ بھی سنبھالے نہ جائیں گے

بولا جری یہ سن کے وہ بانیٔ ظلم و جور
کل تک بھی تو شام ہوا ہے گی تیغ اور
حاکم ہیں آج ہم یہ فلک ہے ہمارا دور
سر کاٹ لیں گے صبح کا ہوگا اگر یہ طور
فرصت اب ایک دم کی نہ ہاں دو حسینؑ کو
بیعت اگر کریں تو اماں دو حسینؑ کو

کہنے کے لوگ کرتے ہیں آپس میں یہ سخن
اب بعد فتح مارے گے زینبؑ اور حسن
سر پر روانہ ہوں گی کہ بھائی کو دو کفن
خیمہ جلا کے لوٹیں گے اسباب پنجتن
ہی آرزو کہ دولت آل عبا ملے
دیکھیں کسے علیؑ کی بہو کی ردا ملے

کہتا ہے کوئی تیر کو چلّے میں جوڑ کے
گزرے گا یہ گلا علی اصغر کا توڑ کے
سوئیں گے جب زمین پہ جھولے کو چھوڑ کے
دونوں کڑے اتاروں گا پہنچے مروڑ کے
اصغر کا طوق اپنے پسر کو پنہاؤں گا
سوغات کربلا سے یہی لیکے جاؤں گا

مُجرے کو جھک گئے رفقا باندھ کر پرا
حضرت نے سر پہ ہاتھ عجب پیار سے دھرا
ہنس کر نظر عزیزوں کی جانب جو کی ذرا
سب باغِ فاطمہؓ نظر آیا ہرا بھرا
تھے اس طرح جوانوں میں لڑکے دھلے ہوئے
ہوں جس طرح سے پھول چمن میں کھلے ہوئے

زینبؓ تھی بے حواس پریشاں تھی سر کے بال
چلاتی تھی دوہائی ہے یا ایزد ذوالجلال
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت بہن کا حال
غل تھا کہ مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال
فرما کے الوداع ہر اک سوگوار سے
خیمے سے نکلے شاہ پیمبر مزار سے

پھر کے اپنے خیمہ میں آیا وہ خیرہ سر
یاں غازیوں نے رات عبادت میں کی بسر
ظاہر ہوئی جو رن میں شبِ قتل کی سحر
پڑھ کر نماز شہ نے کسی جنگ پہ کمر
گردوں نشیں سروں کو ہم پیٹنے لگے
بکھرا کے بال اہلِ حرم پیٹنے لگے

پچھلے سموں پہ رکھے ہے سر دوسری بہن
پکڑے شکار بند کوئی ہے وہ حسنؑ
روکے ہے راہ زوجۂ عباسؑ صف شکن
گھونگھٹ دھری ہے بال پہ اک رات کی دلہن
صدمے سے تھرتھری ہے تن خوش خرام میں
ڈالے ہیں ننھے ہاتھ سکینہؑ لگام میں

جھک کر جو پشت زین تک شہ دیں نے کی نظر
دیکھا سموں سے لپٹی ہے زینبؑ برہنہ سر
کہتی ہے آنکھیں مل کے قدم پر وہ نوحہ گر
او ذوالجناح دختر زہراؑ پہ رحم کر
پاؤں گی پھر نہ فاطمہؑ کے نور عین کو
لے جا نہ تو بہن سے چھڑا کر حسینؑ کو

پتھر چڑھے کے مرکبوں پہ پڑھی جب وہ گھوڑا
آخر وہ فرس پہ قبلۂ عالم ہوئے سوار
پھیری کئی مرتبہ نہ بڑھا واں سے راہوار
حضرت کے منہ کو تکتا تھا پھر پھر کے بار بار
کوہ الم گرا تھا دل دردناک پر
آنکھوں سے اس کی اشک ٹپکتے تھے خاک پر

فرمایا تم کو فاطمہ کی روح کی قسم
جاؤ ابھی تو آئیں گے مقتل سے پھر کے ہم
بچوں کو ساتھ لے کے چلے بیٹھے حرم
رستے سے پھر کے بولی یہ زینب بچشم نم
تسکیں نہیں ہے دل پر اضطراب کو
گھوڑے پہ تم چڑھو میں سنبھالوں رکاب کو

اُترے قدم رکابوں سے حضرت نکال کر
ہاتھوں سے خود بہن کو اُٹھایا سنبھال کر
رو کر کہا ابھی سے نہ زینب یہ حال کر
بولی وہ ہاتھ شاہ کی گردن میں ڈال کر
کچھ زور بیقراری دل سے نہ چل سکا
بھائی میں کیا کروں نہ کلیجہ سنبھل سکا

گردن سے لپٹی کہتی ہے بانوئے نامدار
صدقے میں تیرے اے مرے آقا کے راہوار
کرتا ہے مجھ کو رانڈ محمد کا یادگار
کام آکے ہوں علی کی یہ ہیں جگر فگار
مر جاؤں گی میں ساتھ جو وارث کا چھٹ گیا
آگے قدم بڑھا تو مرا راج لٹ گیا

بولے یہ رنگ دیکھ کے شبیرِ خوش نہاد
ہاں اے مجاہدو رہِ حق میں کرو جہاد
جوں غنچہ کھل گئے وہ جواں ہو کے شاد شاد
سرخی لبوں پہ آ گئی پایا گلِ مراد
بڑھ بڑھ کے پیدلوں نے سواروں سے جنگ کی
ایک ایک تشنہ لب نے ہزاروں سے جنگ کی

پہونچا جو اس حشم سے خدیو جہانِ دیں
صف باندھ کر کھڑے ہوئے سب یاورانِ دیں
کھولا نشانِ مرتضوی نے نشانِ دیں
غل پڑ گیا کہ آج دوبالا ہو شانِ دیں
قدسی سب اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کیلیے
طوبیٰ کا سر بھی جھک گیا تعظیم کے لیے

ڈوبے ہوئے نور میں آئے جو بادشاہِ دیں
تھی پشت پہ شاہ کے خاتم پہ تھی نگیں
رخسار آفتاب تو مہتاب تھی جبیں
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
جن کے تنوں میں جان نہ تھی زندہ ہو گئے
ذرّے زمیں پہ اخترِ تابندہ ہو گئے

جب داخلِ جناں ہوئے وہ خاصگانِ حق
باہم ہوئی نبی کے مرقعے بھی ورق
فرزندِ فاطمہ کو نہایت ہوا قلق
صدمے سے ہو گیا رخِ انور کا رنگ فق
چمکی جو اُن کی تیغ تو بجلی چمک گئی
شیروں کی آنکھ خوف کے مارے جھپک گئی

کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے
اس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
دریا کی سمت رخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
پیاسے بھی تین روز کے لیکن غضب لڑے
بے دست ہو گئے تو یہ جوہر دکھا گئے
لوہے کو مثلِ شیرِ درندہ چبا گئے

جس غول پر جھپٹ گئے صورتِ اسد
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی حد
لاکھوں میں اُن کا وار کوئی کر سکا نہ رد
نعرہ ہر ایک ضرب پہ تھا یا علی مدد
دو کر دئیے تھے وہ جو مجسم قوم جہول ہیں
گھوڑوں کو غش ہیں تو سوار اُن کے ملول ہیں

صدمے سے پیاس کے رخِ معصوم تھا جو زرد
حضرت فلک کو دیکھتے تھے بھر کے آہِ سرد
ہچکی جب اس کو آتی تھی اٹھتا تھا دل میں درد
آنسو رواں تھے آنکھوں سے رخ پہ جمی تھی گرد
پانی کی جستجو تھی جو شہِ خوش صفات کو
تکتے تھے چشمِ یاس سے نہرِ فرات کو

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اس دم بحالِ زار
لائے حسینؑ ہاتھوں پہ اک طفلِ شیرخوار
دن کا ہوا قران مہ و مہر آشکار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار
تھا زرد غش سے ننھا سا منہ اترا ہوا
باندھے ہوئے تھے مٹھیاں منہ تھا کھلا ہوا

تھامے کھڑے تھے دل کو بٹھائے ہوئے حسینؑ
ہلتا تھا جسم ہاتھ تھے جب لائے نورِ عین
خیمے کے در پہ بیبیاں آئی تھیں کرکے بین
چلاتی تھی یہ فاطمہ زہرا بہ شور و شین
صدمے سے ہوں کلیجے پہ کس کس کے داغ کے
افسوس پھول جھڑ گئے سب میرے باغ کے

بولے دکھا کے بچّے کو شاہِ فلک سریر
مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودکِ صغیر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر
مہماں ہے کوئی آن کا ہونٹوں پہ جان ہے
اس کا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

یہ کہہ کے شامیوں کو صدا دی بچشمِ تر
کہنا ہے کچھ مجھے عمرِ سعد ہے کدھر
نکلا یہ سن کے فوج سے ظالم بہ کرّ و فر
پہنے لباسِ فاخرہ باندھے ہوئے کمر
خادم کئی ساتھ ساتھ میں عہدے لیے ہوئے
اور ایک شخص چتر کا سایہ کیے ہوئے

جاری یہ لب پہ تھا کہ نہ آیا تجھے حجاب
اے ہے مر گئے مرے بچّے بغیر آب
دو دن سے خشک ہے چمنستانِ بوتراب
محشر میں دے گی ساقیِ کوثر کو کیا جواب
سیراب سب چرند و پرند اور پیاسے ہم
شکوہ ترا کریں گے رسولِ خدا سے ہم

بولے یہ ابن سعد سے سردار فوج شام
واللہ اے امیر یہ ہے رحم کا مقام
دیتے ہیں اس کو آپ جو کافر ہو تشنہ کام
یہ بیکس و غریب تو ہے سید و امام
کچھ شرم بھی ہے شرط مسلماں کے واسطے
دے جاکے آب غنچۂ ناداں کے واسطے

یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہ بحر و بر
دل دشمنوں کے ہل گئے تھرا گئے جگر
رویا جھکا کے سر پسر سعد خیرہ سر
فولاد موم ہو گیا اللہ رے اثر
مضطر تمام فوج کے پیر و جواں ہوئے
آنکھوں سے ترکوں کے بھی آنسو رواں ہوئے

برپا ہوا اہل بیت محمد میں شور و شین
در پر پھوپھی بلکتی ہے ماں کر رہی ہے بین
آنکھیں چھپائے روتا ہے اکبر نور عین
لایا ہوں اس عطش میں تجھے پاس اب حسین
تجھ کو قسم ہے روح رسالت مآب کی
ٹپکا دے اس کے حلق میں اک بوند آب کی

فرما کے یہ حسینؑ چلے سوئے خیمہ گاہ
گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہوئی فوج سدِ راہ
تھا کماں کشوں میں گھرا فاطمہؑ کا ماہ
چھٹے اِدھر اُدھر سے نہ پائی کہیں پناہ
چھایا ستم کا ابر سرِ نامدار پر
تیروں کا مینہ برسنے لگا شہسوار پر

یہ کہہ کے ابنِ سعد کے کچھ کان میں کہا
حضرت کے سامنے سے ہٹا تب وہ بے حیا
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ کربلا
سمجھا ہیں تیرے مکر کو اے بانیٔ جفا
خیر اب کچھ آرزو نہیں سرِ آبِ دشت کی
لہرا رہی ہیں سامنے نہریں بہشت کی

تب ابنِ سعد شمر سے کرنے لگا کلام
شہ کو خود پلا دے تو پانی کا ایک جام
کہنے لگا بگڑ کے یہ وہ نطفۂ حرام
ہم کو نہیں ہے تابِ عتابِ امیرِ شام
پیاسا کریں گے ذبح ہم اس نونہال کو
پانی نہ دیں گے بانوئے بیکس کے لال کو

اک آہ کر کے غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
سینے میں فرطِ غم سے لہو ہو گیا جگر
رونے لگے صغیر کی صورت کو دیکھ کر
منہ رکھ دیا کھلے ہوئے منہ پر بچشمِ تر
چوما گلا چھدا ہوا اس نونہال کا
ملنے لگے جبیں پہ لہو اپنے لال کا

کتنا بچایا شہ نے اجل سے نہ بس چلا
کڑکی اُدھر کمان اِدھر چھد گیا گلا
آنسو بھر آئے آنکھوں میں منکا جونہی ڈھلا
آنکھوں سے شہ نے آنکھیں ملیں منہ سے منہ ملا
جو حسرتیں تھیں دل میں قضا نے نکال دیں
ننھی سی باہیں باپ کی گردن میں ڈال دیں

آئے جو ہر طرف سے شہِ بحر و بر پہ تیر
تلوار سے قلم کیے روکے سپر پہ تیر
غل تھا چلیں حسینؑ کے لختِ جگر پہ تیر
آنے دیا نہ شاہ نے لیکن پسر پہ تیر
آنسو رواں تھے آنکھوں سے بچے کے حال پر
مثلِ کماں جھکے ہوئے تھے اپنے لال پر

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہنشاہِ بحر و بر
ناگہ پکاری ڈیوڑھی سے فضہ بچشمِ تر
باشاہ اب نکلتی ہے بانو برہنہ سر
اصغر جو رو رہے ہیں تو بے آب ہے ادھر
بہنیں ہیں بے قرار پھوپھی بے حواس ہے
مادر کی گود خالی ہے جھولا اداس ہے

غصے سے حرملہ نے کہا یوں پکار کر
نادان ہے تیر حلق پہ بچے کے مار کر
مجھ سے نکل کے جنگ ابھی اے نابکار کر
آتا ہوں ننھی لاش لحد میں اتار کر
سینے پہ میرے تیر لگا تو غم نہ تھا
بچہ مرا یہ ناقۂ صالح سے کم نہ تھا

کھینچا جو شہ نے تیر تو بچہ دہل گیا
خوں جوش کھا کے زخمِ گلو سے ابل گیا
مردہ ہوئے حیات کا نقشہ بدل گیا
ہچکی کے ساتھ ہونٹ کھلے دم نکل گیا
حضرت نے سر کو پیٹ کے اس طرح آہ کی
تڑپی لحد میں روح رسالت پناہ کی

یہ کہہ کے اٹھے واں سے جو حضرت امام پاک
رخسار پر لگی تھی مزار پسر کی خاک
بازو سے خوں رواں تھا گریباں چاک چاک
اعدا پہ کی نظر صفت شیر خشمناک
دل دشمنوں کے خنجر ابرو سے کٹ گئے
آئی جو آستیں تو پرے سب الٹ گئے

یہ کہہ کے ذوالفقار کو کھودی وہیں زمیں
ہاتھوں سے کی سپرد لحد لاش نازنیں
تربت پہ منہ کو رکھ کے پکارے یہ شاہ دیں
اب سو تو بے جھجک اے مرے مہ جبیں
تم یہ نہ جانیو کہ ہمیں چھوڑے جاتے ہیں
ہم بھی تمہارے پاس کوئی دم میں آتے ہیں

چلائے منہ پھرا کے شہنشاہ مشرقین
اصغر تو کوچ کر گئے لالے کے حسین
فضہ یہ شہربانو سے کہدو یہ شور و شین
گھر میں بس اب آئے گا نہ اصغر سا نور عین
جن کی تھی طلب وہ سوئے جناں گئے
چلتے ہیں ہم بھی اب جہاں اصغر میاں گئے

رُکنا تھا بس کہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
اک جسم نازنیں پہ چلے تیر دس ہزار
تیغوں سے ہاتھ کٹ گئے سر ہو گیا فگار
تیورا گیا وہ فاطمہ زہرا کا گلعذار
کھائی سناں جو غش میں دل دردناک پر
کرسی نشینِ عرش گرا فرشِ خاک پر

آوازِ غیب سنتے ہی ٹھہرا گئے امام
کی ذوالفقار میان میں اور روک لی لگام
گردن پھرا کے منہ کو لگا تکنے خوش خرام
فرمایا تجھ سے ہوتا ہے رخصت یہ تشنہ کام
رک جا کہ خاتمہ ہوا جنگ و جدال کا
اب سر چڑھے گا نیزے پہ زہرا کے لال کا

آئی ندائے غیب کہ اے ابنِ مرتضیٰ
معنی یہی ہیں جنگ کے شاباش مرحبا
کس کا یہ منہ ہے تجھ سے کوئی کر سکے وغا
وعدے پہ پہنچنے کے مناسب ہے اب وفا
ہم منتظر ہیں ان سے نہ تو انتقام لے
اے صابروں کے فخر بس اب ہاتھ تھام لے

پھر اگلوئے خشک پہ خنجر جو ایک بار
آثارِ صبحِ حشر ہوئے رن میں آشکار
شہ رگ پہ جب پہنچ گئی تیغِ ستم کی دھار
چلائے ہاتھ اٹھا کے امامِ فلک وقار
بیکس ہوں تشنہ کام ہوں تیغوں سے چور ہوں
یا رب گواہ رہیو کہ میں بے قصور ہوں

خولی علم کیے ہوئے شمشیرِ کیں بڑھا
بڑھتے ہی اُس کے اپنے پہ حسین بڑھا
خنجر کمر سے کھینچ کے شمرِ لعیں بڑھا
شہ کی طرف چڑھائے ہوئے آستیں بڑھا
زینبؑ نے دی دہائی تو منہ کو پھرا لیا
زانو سے شہ کا سینۂ زخمی دبا لیا

پہونچی جو ضرب پھٹ گئے زخمِ تنِ حسینؑ
سب خاک و خوں میں بھر گیا پیراہنِ حسینؑ
سر خاک پہ پٹکنے لگا توسنِ حسینؑ
سجدے کو سوئے قبلہ جھکی گردنِ حسینؑ
اعدا نے کائنات کا دفتر الٹ دیا
نیزوں سے لاشِ شہ کو زمیں پر الٹ دیا

زینب نے خیمہ گاہ سے باہر جو کی نظر
دیکھا کہ آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر
روکی جو ساتھ تھی وہ پکاری بچشم تر
میں لٹ گئی پھوپھی مرے بابا گئے کدھر
شہ ذبح ہو گئے نہ کسی کو خبر ہوئی
ہائے اس ذری سی عمر میں بے پدر ہوئی

پہنچا کہ جیسے حلق سے خنجر گزر گیا
خورشید آسمان شرف خوں میں بھر گیا
دنیا سے بادشاہ اُمم کوچ کر گیا
چلائی فاطمہؑ کہ مرا شیر مر گیا
برپا ہوا جب یہ حشر تو کیا دل کو کل پڑے
باہر سب اہل بیت محمدؐ نکل پڑے

یا رب بحق گوہر دندان مصطفٰیؐ
یا رب بحق خون سر شاہ مرتضٰیؑ
یا رب بحق حرمت زہراؑ و مجتبٰیؑ
کچھ اور مانگتا نہیں اصغرؑ کا خوں بہا
ہے تجھ سے التجا یہی مجھ دل ملول کی
اُمت کو بخش دے مرے نانا رسول کی

لوٹا بلا کے گھر سے محمدؐ کی آل کو
پیاسا کیا شہید شہِ خوش خصال کو
ہے ہے دیا کفن بھی نہ زہراؑ کے لال کو
لوگو خبر کرو اسدِ ذوالجلال کو
دیکھیں یہ جو زخم تنِ پاش پاش کے
ٹکڑے اٹھائیں آ کے بیٹے کی لاش کے

تمام شد

ہے ہے شہیدِ خنجرِ ظلم و جفا حسینؑ
ہے ہے گلو بریدۂ راہِ خدا حسینؑ
ہے ہے غریب و بیکس و بے آشنا حسینؑ
ہے ہے ذبیح مادر و بینوا حسینؑ
ہے ہے لہو بھری ہوئی زلفیں لٹکی ہیں
ہے ہے رگوں سے خوں کی بوندیں ٹپکتی ہیں

بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں عالم ہوا سیاہ
ہاتھوں سے دل پکڑ کے کہا وا محمدا
منہ پیٹ کے زمیں پہ گری پھر با اشک و آہ
چلائی ہائے خانۂ زہراؑ ہوا تباہ
ہم سب کے چین اب تہِ افلاک کھو گئے
ہے ہے جہاں سے پنجتن پاک اٹھ گئے

چند دلچسپ اور مفید کتابیں

مفصل فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ ہوگی

پردہ اور تعلیم :- اس کتاب میں مسلمان عورت کا تمام مذاہب کی عورتوں سے مقابلہ کیا گیا ہے اور موجودہ رواجی پردہ کے نقصانات شرح و بسط سے دکھائے ہیں۔ قیمت بارہ آنے ۱۲/

گلدستہ کشیدہ :- اس کتاب کی تیاری میں اٹھائیس دستکاروں نے حصہ لیا ہے اور اس فن کی مشہور ماہر محترمہ عزیزہ فاطمہ بیگم صاحبہ (آگرہ) نے نہایت محنت اور قابلیت سے کتاب کو مرتب فرمایا ہے اس کتاب کے گیارہ باب ہیں۔ ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت عہ

لائق بیوی :- دلنشین اور کارگر نصیحتوں کا بیش بہا مجموعہ ہے جس کو پڑھ کر لائق بیوی بننے کی قابلیت حاصل کرنا ہر عورت کا فرض ہے اس میں ۹ نصیحتیں ہیں آخری نصیحت میں رسول مقبول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے عادات و اخلاق کی پیروی کا مبارک درس ہے سائز ۱۸×۲۲ حجم ۶۸ صفحات قیمت ۸/

بیٹا بیٹی :- اس میں بچوں کی پرورش اور تربیت کے مفید اصول نہایت خوبی سے سمجھائے گئے ہیں صاحب اولاد حضرات اس کی مدد سے اپنے بچوں کو مہذب انسان بنا سکتے ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ اس کو خرید کر خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جائے۔ سائز ۱۸×۲۲ حجم ساٹھ صفحات ۸/

خواتین کی دستکاریاں ۔ عورتیں منگائیں تو گھر پر خودداری اور عزت کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہیں کیونکہ اس کتاب میں نادار اور غریب عورتوں کو نہایت کارآمد اور بیش بہا مشورے دیئے گئے ہیں اور بہت سے کاموں کی

اس قدر تفصیل بیان کردی ہے کہ پردہ نشین عورتیں کبھی کا احسان اُٹھائے صرف اس کتاب کی بدولت مالی پریشانیوں کو بہ آسانی دور کرسکتی ہیں خواتین کی دستکاریاں جہاں غریب عورتوں کو بہترین مشورہ دے گی، وہاں امیر عورتوں کو بھی ہنرمند اور سلیقہ شعار بنائے گی قیمت ۸؍

خواتین اندلس :- اندلس اسپین میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک جس شان سے حکومت کی ہے تاریخ سنہری الفاظ میں ہمیشہ اس کا ذکر کرے گی مسلمانوں کے زمانہ میں سرزمین اندلس نے ایسی ایسی باکمال خواتین پیدا کی تھیں جنہوں نے علوم و فنون کے دریا بہا دیئے تھے۔ ۲؍

عصمتی کروشیا :- کروشیا کی شوقین بہنوں کے لیئے بہترین تحفہ دوسرا ایڈیشن مناسب ترمیم و بیجا اضافہ کے بعد آب و تاب کے ساتھ بڑے سائز پر شایع ہوا ہے عصمتی بہنوں نے یہ کتاب تیار کی ہے اور فن کروشیا کی ماہر محترمہ فاطمہ نور علی صاحبہ نے ترکیبیں اور ہدایات لکھ کر مرتب کی ہے۔ ۱۲

عورتوں کی انشا :- مصنفہ بیگم صغرا علی جو عورتوں کی مخصوص فطرت اور طبعی رجحان کو ملحوظ رکھ کر انہیں کی زبان میں لکھی گئی ہے جس کے مطالعہ سے خواتین کو خطوط نویسی میں مدد ملے گی قیمت ۸؍

خانہ داری کے تجربے :- مصنفہ محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ خانہ داری کے تجربات محترمہ موصوفہ کے بیش بہا مضامین کا مجموعہ ہیں فصل اول میں اُن چوبیس کھانوں کی ترکیبیں ہیں جو طاقت بخش ہیں یا کسی خاص تکلیف کے رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں یا بیماری سے اُٹھ کر کمزوری کی حالت میں ان کا کھانا مفید ہے ۱۲؍

خانہ داری :- معاشرت کی اصلاح اور خانہ داری کے موضوع پر اس وقت اس سے بہتر تصنیف موجود نہیں اس کتاب میں ۴۴ مضامین ہیں جو خانہ داری کی تمام ضروریات پر حاوی ہیں کتاب امیروں اور غریبوں کے لیئے یکساں طور پر مفید ہے قیمت ۸؍

مسلمانوں کی للہیت حقانیت اور شجاعت کی سچی تصویر
دیکھنا ہو تو
مراثی انیس کو بغور پڑھیے!!
میرانیس کا کلام وہ
جس میں واقعات کربلا
مستند اور غیر فانی کلام ہے
کا سچا فوٹو کھینچا گیا ہے
اسلامی صداقت اور ایثار کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ یوں تو میر صاحب کا کلام ہزار ہا دفعہ چھپکر شائع
ہو چکا ہے مگر نظامی پریس بدایوں نے جس صحت صفائی اور بہترین کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اُس کی
مثال اس وقت تک ہندوستان میں نہیں ملتی کلام تین جلدوں میں شائع ہوا ہے
مراثی انیس جلد اول
مراثی انیس جلد دوم
مراثی انیس جلد سوم
ملنے کا پتہ
نظامی پریس بک ایجنسی
بدایوں
ملنے کا پتہ
نظامی پریس ایجنسی
بدایوں